ماہنامہ

آنکھ مچولی

کراچی

فروری ۱۹۸۹ء

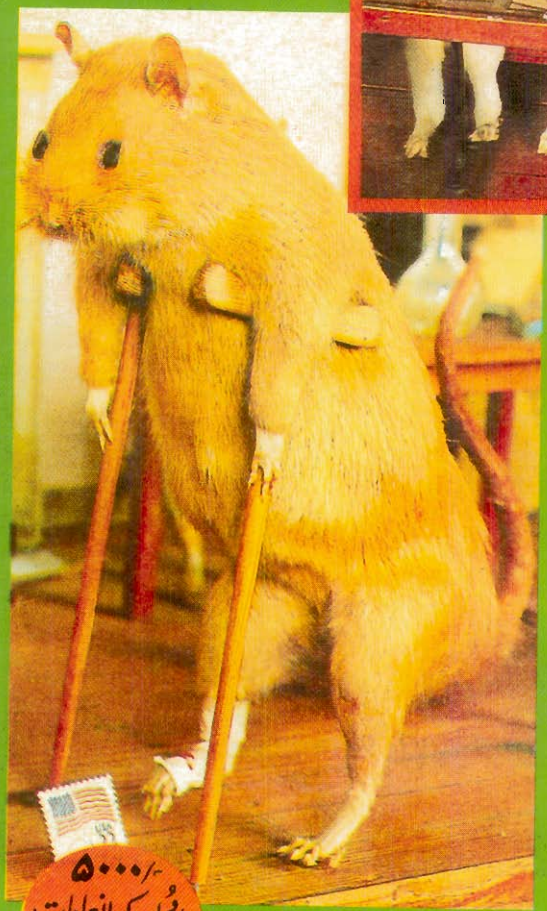

"سلیقہ مند چُوہے باسلیقہ بلیاں"

اندر ملاحظہ کیجیئے!

۵۰۰۰/- رُپے کے انعامات
تفصیل اندر دیکھیں

بچّوں کے قومی انتخابات کے نتائج اِس شمارے میں دیکھئے

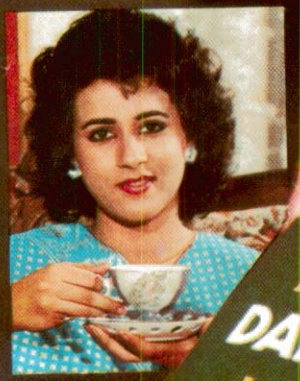

آپ ایک بار پی کر تو دیکھیں !
TAPAL
TAPAL TEA
DANEDAR
Leaf Blend
Net weight when packed
200 grams
ٹپال چائے
دانے دار
لیف بلینڈ
فوری تیار، زیادہ خوشبودار، گہری رنگت، یادگار لذّت، ایک پیالی میں گھنٹوں تسکین
MASS

ABC
آڈٹ بیورو سرکولیشن سے
تصدیق شدہ اشاعت!

نئی نسل کے ادب کا بین الاقوامی معیار

آنکھ مچولی

مدیر اعلیٰ: ظفر محمود شیخ

مدیر مسئول: تجمّل حسین چشتی

جلد ۳ شمارہ ۸ فروری ۱۹۸۹ء جمادی الثانی ۱۴۰۹ھ

مشاورت: مشفق خواجہ، امجد اسلام امجد | مدیران اعزازی: طاہر مسعود، محمد سلیم مغل

مجلس ادارت: شاہ نواز فاروقی، سیّد خورشید عالم، محمد اعظم منہاس | خطاطی: عارف سعید

قیمت ۶ روپے | ۲ درہم ۲ ریال | زرسالانہ کیلئے خصوصی پیکٹ کا صفحہ دیکھیں

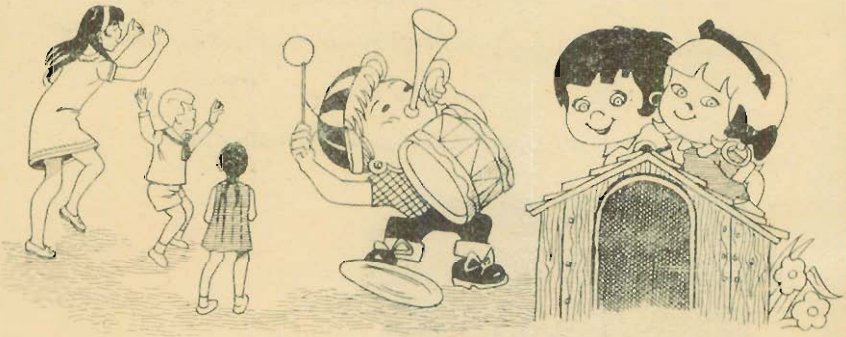

● ماہنامہ آنکھ مچولی میں شائع ہونے والی تمام تحریروں کے جملہ حقوق بحق ادارہ محفوظ ہیں۔ پیشگی اجازت کے بغیر کوئی تحریر شائع نہیں کی جاسکتی۔
● ماہنامہ آنکھ مچولی میں شائع ہونے والی قرآن و حدیث پر مبنی تحریروں کے علاوہ کہانیوں کے کردار و واقعات فرضی ہیں۔ کسی اتفاقیہ مماثلت کی صورت میں ادارہ ذمہ دار نہ ہوگا۔
● ماہنامہ آنکھ مچولی کو گرین گائیڈ اکیڈمی نے ضمیر الدین میموریل آرگنائزیشن کے زیر سرپرستی بچوں کی ذہنی اور علمی صلاحیتوں میں اضافے اور سیرت و کردار کی تعمیر کے لیے شائع کیا۔

ناشر: ظفر محمود شیخ | طابع: زاہد علی | مطبع: لاریب پرنٹنگ پریس، ایم اے جناح روڈ۔ کراچی

خط و کتابت کا پتہ: ماہنامہ آنکھ مچولی، گرین گائیڈ اکیڈمی، ۱۱۲۔ ڈی، نورس روڈ، سائٹ کراچی

ایک بار کی زحمت

سال بھر کا آرام

آنکھ مچولی

گھر بیٹھے ہر ماہ حاصل کرنے کے لیے

صرف ایک بار زحمت کیجیے اور ۱۲ ماہ تک اپنا پسندیدہ رسالہ باقاعدگی سے حاصل کیجیے۔

آنکھ مچولی کے (۱۲) شماروں کی قیمت مع دو خاص نمبر اور رجسٹرڈ ڈاک خرچ (۱۳۲) روپے بنتی ہے، لیکن خصوصی بچت اسکیم کے تحت آپ کو صرف (۹۰) روپے ادا کرنے ہوں گے۔ یوں گویا بہ یک وقت آپ دو فائدے اٹھا سکتے ہیں۔

(۱) **۴۲** روپے کی خصوصی بچت۔

(۲) گھر بیٹھے رجسٹرڈ ڈاک سے رسالے کی بحفاظت ترسیل۔

یاد رہے کہ

رسالے کی قیمت میں اضافے کے باوجود زرِ سالانہ میں کوئی اضافہ نہیں کیا گیا۔

اگر آپ سالانہ خریداری کے لیے ہماری خصوصی بچت اسکیم میں شامل ہونا چاہتے ہوں تو ۹۰ روپے کا منی آرڈر اور مندرجہ ذیل کوائف ایک علیحدہ کاغذ پر روانہ کریں۔

(۱) خریدار کا نام (۲) مکمل پتہ (۳) رسالہ کس ماہ سے جاری کیا جائے (۴) فون نمبر (اگر ہو) (۵) دستخط

"خصوصی بچت اسکیم" ماہنامہ آنکھ مچولی۔ ڈی-۱۱۲- نورس روڈ مانٹ کراچی ۱۶

حُسنِ ترتیب

حمد ۷ زین الدین محب
تاریخ کے حوالے سے ۸ (ادارہ)
اداریہ ۹ ظفر محمود شیخ
ڈاکیہ ڈاک لایا ۱۰ (قارئین کے خطوط اور ان کے جوابات)
آپ سے گفتگو ۱۵ محمد احمد گوندل
دنیا مرے آگے ۱۷ (دلچسپ خبریں)
سلیقہ مند چوہے باسلیقہ بلیاں ۱۹ رُمیصا سلیم
گمنامی سے نیک نامی تک ۲۳ سید کاشان جعفری
پ سے پینسل ۲۷ محمد سلیم مُغل
بولی کار (نظم) ۲۹ شاہنواز فاروقی
بچّوں کے قومی انتخابات ۳۰
خوش نصیب ۳۴ محمد سعید اختر
وہ کون تھا (حق اسکواڈ) ۳۹ اخلاق احمد
بات سچّی ہو (نظم) ۴۷ حمید قمر
درویش گورنر ۴۹ محمد جاوید خالد
عکس (قسط ۴) ۵۵ شاہنواز فاروقی
ویٹ نام سے فرار ۶۲ ترجمہ:- سید خورشید عالم
سائنس انکوائری ۶۷ نیّر ابدالی
سالانہ امتحان (نظم) ۷۱ حفیظ جالندھری
ذہانت کسی کی میراث نہیں ۷۲ (پزل)
ننھا لائبریرین ۷۴ شیری
امّی، ابّو یہ لڑائی کب ختم ہوگی؟ ۷۹ طاہر مسعود
میری ڈائری ۸۳
کھٹ مٹھے ۸۷ (منتخب لطائف)
جستجو شرط ہے ۹۱ اسا
سڑک کے دونوں جانب (نظم) ۹۵ نسیم سحر اکبر آبادی
گنی چُنی معلومات ۹۶ سید عقیل عباس جعف
کاٹو فقیر ۹۹ فرح صفدر فر
ننّھی نگارشات ۱۰۳
آؤ مِلائیں ہاتھ ۱۱۵ (قلمی دوستی)
امّی ابّو کا صفحہ ۱۱۸ شین فاروقی

نام بھی انعام بھی

آنکھ مچولی اپنے لکھنے والے ساتھیوں کی تخلیقی سرگرمیوں کی نشوونما اور اُن کے درمیان صحت مند مقابلے کی پروان چڑھانے کی غرض سے ایک منفرد مقابلۂ تحریر منعقد کر رہا ہے۔

مقابلۂ تحریر میں شرکت کیجیے

۵۰۰۰ روپے کے نقد انعامات جیتیے

اپنے ذہن کو بیدار اور قلم کو تیار کر لیجیے

مقابلے میں شامل ۵ موضوعات

مقابلہ نمبر ۱۔ کہانیاں ـــــ عام تاثراتی / مہماتی / شکاریات / سائنس فکشن

مقابلہ نمبر ۲۔ سفرنامے ـــــ دلچسپ اور معلوماتی، مُلکی یا غیر مُلکی سفرنامے

مقابلہ نمبر ۳۔ سچی آپ بیتیاں ـــــ ناقابلِ فراموش سچے اور انوکھے واقعات

مقابلہ نمبر ۴۔ طنز و مزاح ـــــ کہانی / مضمون

مقابلہ نمبر ۵۔ مضامین ـــــ عام نوعیت کے معلوماتی مضامین / سائنسی موضوعات پر مبنی مضامین
جدید ترین ایجادات و اختراعات پر مبنی مضامین ـــ

آپ ان پانچ موضوعات میں سے اپنے دو پسندیدہ موضوعات پر تحریر لکھ کر ہمیں روانہ کر سکتے ہیں، ہر موضوع پر پہلے دوسرے اور تیسرے نمبر پر آنے والی کہانیوں اور مضامین کو بالترتیب پانچ سو روپے، تین سو اور دو سو روپے کے نقد انعامات دیئے جائیں گے، گویا ہر مقابلے کے لیے ایک ہزار روپے کے انعامات

مقابلے کی شرائط

- آپ کی نگارشات ہمیں ۳۱ فروری ۸۹ء تک مل جانی چاہئیں۔
- مقابلے میں صرف وہی تحریریں شامل ہو سکیں گی جو ہمارے معیار کے مطابق ہوں گی۔
- اگر کسی موضوع پر ہمیں معیاری تحریریں موصول نہ ہوئیں تو موضوع مقابلے سے خارج ہو جائے گا۔
- اپنی تحریر کی نقل اپنے پاس محفوظ کر لیں اور واپسی کا تقاضہ نہ کریں۔
- کچھ پوچھنا مقصود ہو تو جوابی لفافہ بھجوائیے۔
- لفافے پر آنکھ مچولی کا پتہ لکھنے سے پہلے "مقابلۂ تحریر" ضرور لکھیے۔
- مقابلے میں شرکت کے لیے عمر کی کوئی قید نہیں ـــــ منصفین کا فیصلہ حتمی ہوگا۔

قلم اُٹھائیے ـــــ خوش قسمتی آپ کی جانب بھی مسکرا کر دیکھ رہی ہے

دُعا

ساری تعریف ہے برائے خدا
جو مربی ہے سارے عالم کا
جو ہے رحمٰن اور رحیم بڑا
جو کہ مالک ہے حشر کے دن کا
بندگی ہم تری ہی کرتے ہیں
دم تری ہی مدد کا بھرتے ہیں
سیدھا رستہ ہمیں دکھا اُن کا
جن کو انعام تونے ہے بخشا
ہو نہ وہ راستہ مگر اُن کا
جن پہ تیرا غضب ہے اور غُصّہ
اور نہ ایسوں کا ہو جو ہیں بے دین
ہووے مقبول یہ دُعا آمین

سورۂ فاتحہ کا منظوم ترجمہ زین الدین محب کا تحفۂ خاص

تاریخ کے دریچے سے

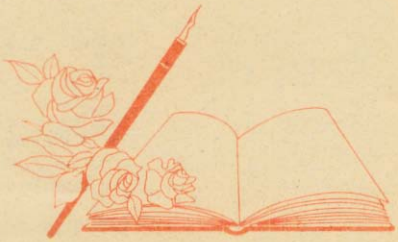

علامہ اقبال سیالکوٹ میں کسی دکان کے تختے پر ایک پیر رکھے حقے کے کش لگا رہے تھے کہ اتفاقاً ان کی نظر اپنے اُستاد سیّد میر حسن پر پڑی۔ وہ تیزی سے اُن کی جانب لپکے تو جلدی میں ایک جُوتا وہیں چھُوٹ گیا۔ علامہ اقبال جُوتے کی پرواہ کیے بغیر گردن جُھکائے اُستاد کے ساتھ چلنے لگے اور اسی حالت میں اُنہیں اُن کے گھر تک پہنچایا۔

آپ نے سُنا ہوگا کہ پاکستان میں خواندگی کا تناسب صرف ۲۸ فیصد ہے۔ ان میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو صرف دستخط کرنا جانتے ہیں۔ پاکستان جیسے ترقی پذیر ملک کے لیے تعلیم کی یہ شرح نہ صرف کم بلکہ بڑی حد تک تشویش ناک ہے۔ زندگی کے تمام شعبوں میں ترقی کرنے کے لیے تعلیم میں اضافہ بے حد ضروری ہے لیکن بدقسمتی کی بات یہ ہے کہ اس اہم اور سنگین مسئلے کو حل کرنے کے لیے جتنے ضروری اقدامات درکار ہیں اتنی کوششیں ہوتی دکھائی نہیں دے رہی ہیں۔ تعلیم عوام کی ذہنی سطح کو بلند کرتی ہے۔ اور تعلیم کی روشنی صرف تعلیمی اداروں سے ہی نہیں پھیلتی بلکہ رسائل، جرائد اور اخبارات بھی اس میں بے حد اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ معاشرے میں مطالعے کا رجحان دن بہ دن گھٹتا جا رہا ہے۔ اکثر گھرانوں میں کتابیں اور رسائل و جرائد کے مطالعے کو وقت کا زیاں تصور کیا جاتا ہے اور جو لوگ اس کی اہمیت کو محسوس بھی کرتے ہیں وہ بھی زندگی کی دوسری ضروریات کے مقابلے میں مطالعے کو آخری ترجیح دیتے ہیں۔ ان میں بے شمار گھرانے ایسے بھی ہیں جو تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود کتابیں اور رسائل نہ پڑھنے کا بہانہ یہ کہہ کر کرتے ہیں کہ ان کی قیمتیں بڑھ گئی ہیں۔ دیکھا جائے تو یہ اعتراض بظاہر بڑا وزنی نظر آتا ہے، لیکن غور کیجیے تو یہ اعتراض بڑا سطحی سا لگتا ہے۔ گزشتہ دس پندرہ برسوں میں ضروریاتِ زندگی کی ہر چیز مہنگی ہوئی ہے۔ ملبوسات سے لے کر کھانے پینے کی اشیاء اور رہائش سے لے کر روزمرّہ کے استعمال کی تمام مصنوعات کے دام بڑھے ہیں۔ لیکن ہم نے محض گرانی کو بنیاد بنا کر ان چیزوں کا استعمال تو نہیں چھوڑا۔ عوام کروڑوں روپے کے مشروبات پی جاتے ہیں، سگریٹ پھونک ڈالتے ہیں، چائے گھونٹ لیتے ہیں، نت نئے فیشن خواہ وہ کتنے ہی مہنگے ہوں اختیار کر لیتے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ بڑے شہروں میں جہاں تعلیم کی شرح زیادہ ہے بڑے بڑے شاپنگ سینٹر کھل رہے ہیں۔ ٹی وی اسکرین پر اشتہارات کی دنیا دن بہ دن رنگین ہوتی جا رہی ہے۔ لیکن اس کے برعکس انہی شہروں میں کتابوں کی پرانی دکانیں بند ہو رہی ہیں اور اس کی جگہ پر گھروں میں اگر پڑھنے کا شوق باقی بھی ہے تو ایسے رسائل جو ٹی وی اور فلم کے شعبوں کی ترجمانی کرتے ہیں۔ یہ صورتِ حال ہمیں کس طرف لے جا رہی ہے؟ یہ سوال یوں تو بڑوں کے سوچنے کا ہے، لیکن اس طرف نشاندہی کرنا ہم اس لیے ضروری سمجھتے ہیں کیونکہ معاشرے کا جو کچھ مزاج بنایا جا رہا ہے اور ذہنوں میں جو بیج بوئے جا رہے ہیں اس کی فصل بہرحال اسی نسل کو کاٹنی ہے جو ابھی نوخیز ہے۔

ہم نہایت افسوس کے ساتھ اعتراف کرتے ہیں کہ آئندہ برسوں میں یہ صورتِ حال تبدیل ہوتی نظر نہیں آ رہی۔ لیکن ہم اپنی نئی نسل سے یہ توقع ضرور رکھتے ہیں کہ وہ نیک و بد میں اپنے نفع و نقصان میں خود تمیز کرنا سیکھے گی۔ ہمیں یقین ہے کہ لائبریری اور شاپنگ سینٹر کے درمیان اس کا انتخاب ہمیشہ لائبریری ہوگی۔

آپ کا دوست

ظفر عمر

جُملہ چسپت کیجیے

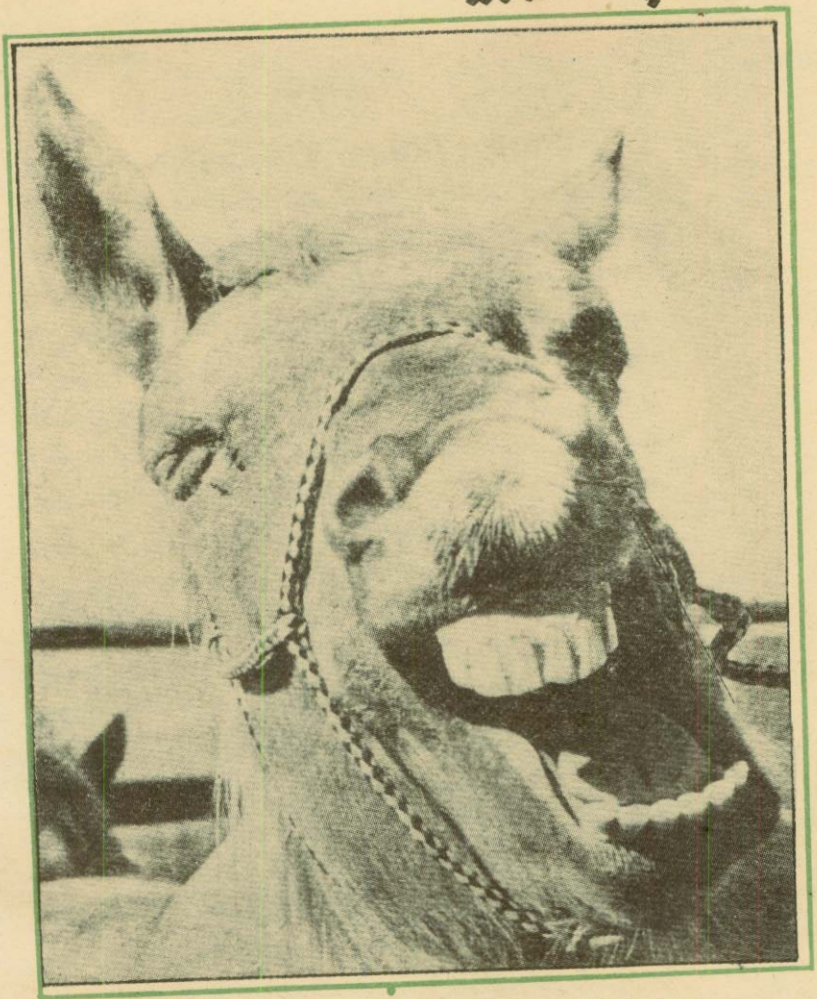

اس تصویر کو دیکھ کر ممکن ہے آپ کی رگِ ظرافت پھڑک اُٹھے۔ تو پھر جلدی سے اس تصویر پر ایک خوبصورت سا جملہ چسپت کیجیے۔۔۔ مزاح اور برجستگی شرط ہے۔ سب سے خوبصورت جملہ لکھنے پر آئندہ ماہ نام بھی شائع کیا جائے گا اور ایک تحفہ بھی ارسال کیا جائے گا مقابلے میں شرکت کی آخری تاریخ ۱۰، فروری ہے۔

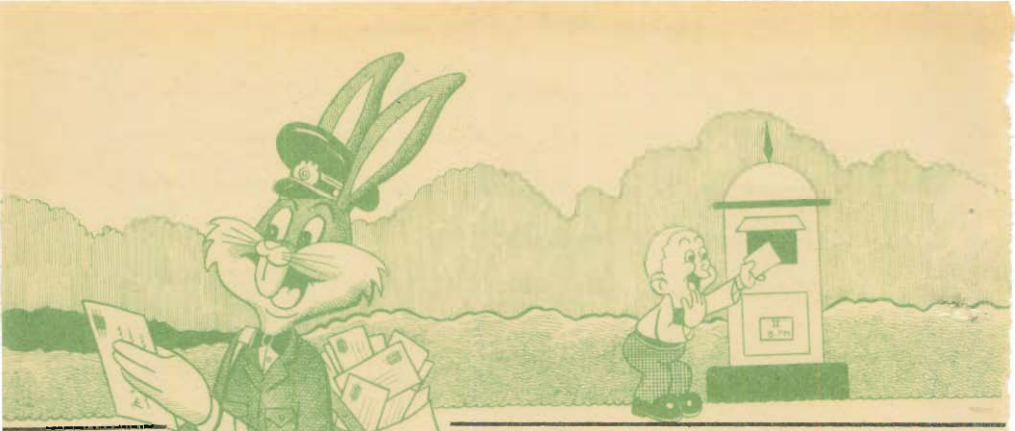

ڈاکیہ ڈاک لایا

سیداعظم نور ۔ کراچی ۔ کیا ہی اچھا ہو کہ کچھ ہم جیسے لوگوں کے خطوط بھی آپ شائع کر دیا کریں جو خط چھپوانے کے لیے دھمکی نہیں دیتے ۔ شکر ہے کہ خوفناک نمبر پڑھ کر ہارٹ فیل نہیں ہوا ۔ آپ نے معلومات کا جو نیا سلسلہ شروع کیا ہے بہت پسند آیا ۔

○ — دھمکی نہ دینے کی دھمکی بھی کارگر ثابت ہوئی ۔ اب تو آپ کو شکایت نہیں ہے نا ۔ خوفناک نمبر چھاپ کر جب ہمارا ہارٹ فیل نہیں ہوا تو اُسے پڑھ کر خدانخواستہ آپ کا ہارٹ فیل کیوں ہوتا ۔ نئے معلوماتی سلسلے کی پسندیدگی کا شکریہ ۔

زوبینا (شہر کا نام نہیں لکھا) اب بچے جان چکے ہیں کہ ڈرنے کی چیزیں "چڑیل" اور "بھوت" نہیں ہیں، بلکہ انسان ہیں ۔ اب انسان ہی دوسرے انسان کو کھا رہا ہے ۔ چڑیل اور بھوت تو کب کے جا چکے ہیں اس دنیا سے ۔ آپ کو اپنے رسالے کو قابلِ تعریف بنانے کے لئے ابھی بہت محنت کرنی پڑے گی ۔

محمد عادل منہاج ، نیو کراچی ۔ خوفناک نمبر پڑھ کر یہ تاثر قائم ہوا کہ خوف وغیرہ کوئی چیز نہیں ہوتی بلکہ یہ انسان کا وہم ہے ۔ مجموعی طور پر خوفناک نمبر ایک اچھی کاوش رہا ۔ امید ہے آئندہ آپ "ہولناک نمبر" "عبرتناک نمبر" اور تاک ہی ناک نمبر بھی نکالیں گے ۔

○ — لفظ "خوفناک" میں آپ کو "ناک" غالباً بہت پسند آئی جبھی آپ نے اتنی ساری ناکوں کی فرمائش کر ڈالی ہے ۔ ۔ ۔ "خوفناک نمبر" کی پسندیدگی کا شکریہ ۔ ۔ ۔

شبانہ شفیع ۔ لیہ ۔ بچوں کے قومی انتخاب کے نتائج ـــــ کب شائع ہوں گے ؟ خوفناک نمبر میں سے صفحات غائب تھے ؟ پچھلی بار بھی آپ نے رنگین پنسل کاغذ دیا تھا اور اس دفعہ بھی رنگین پنسلوں کا بکس دیا ہے ۔ کیوں ؟

○ — قومی انتخاب کے نتائج آپ اس شمارہ میں پڑھ لیں گے ۔ آپ اپنا مکمل پتہ بھیج دیجیے ۔ بقیہ صفحات ارسال کر دیے جائیں

گے۔ پچھلے خاص نمبر کی رنگین پنسلیں اب تک گھس چکی ہوں گی اس لیے ہم نے پھر سے یہ تحفہ دے دیا۔

عمران خان ،۔ پشاور ،۔ "خوفناک نمبر" پڑھا۔ تھوڑا سا ڈر لگا۔ تصویریں تو بہترین تھیں، کہانیاں اتنی خوفناک نہ تھیں ... اپریل میں قہقہہ نمبر ۲ شائع کردیں تو مزا آجائے۔ اب آپ نے تحفہ دینا بند کیوں کر دیا ؛ میری لکھائی خراب ہے آپ کوئی مشورہ دیں۔

○ـــ "خوفناک نمبر" کے ساتھ تحفہ آپ کو نہیں ملا۔ اگر آپ کرکٹر عمران ہیں تو پھر آپ کو لکھائی بہتر کرنے کی کیا ضرورت ہے اور اگر آپ کوئی اور عمران ہیں تو پھر آپ صاف اور اچھا لکھنے کی مشق کریں۔ ویسے آپ سے کس نے کہہ دیا کہ آپ کی لکھائی خراب ہے۔

محمد اعجاز خان بابر زئی۔ کوٹری ،۔ آپ نے رسالے کو اتنا معیاری کس طرح بنایا ہے !

○ـــ آپ لوگوں کا دل جو جیتنا تھا۔ اور آپ کو پتا ہے۔ کسی کا دل جیتنے کے لیے کتنی محنت اور کتنے خلوص کی ضرورت ہوتی ہے ... بس اسی طرح رسالہ معیاری ہوتا گیا۔

کاشف طاہر، کوثر ٹاؤن، کراچی ،۔ میں پچھلے سال سعودیہ گیا تھا۔ اگر میں آپ کو وہاں کی سیر کا حال لکھوں تو کیا آپ شائع کریں گے ۔؟

○ـــ کاش ! آپ یہ پوچھنے کے بجائے ہمیں اپنا سفر نامہ لکھ کر بھیج دیتے۔ آپ کے سفرنامے کا ہمیں شدت سے انتظار رہے گا۔ خوب محنت سے اور خوب اچھا لکھ کر بھیجیے۔

○ـــ بھئی بات تو آپ کی ٹھیک ہے، لیکن یہ کالج کے جو طلبہ ہوتے ہیں نا یہ بڑے شریر اور تیز طرار ہوتے ہیں۔ پتا نہیں کیسے چھپ چھپا کر آنکھیں بچا کر اس کالم میں گھس جاتے ہیں۔ بہرحال اب ذرا ان سے ہوشیار رہنا پڑے گا۔

محمد یاسین، لیاری ، کراچی ،۔ پیاری باجی ... سرورق تو خوفناک تھا لیکن کوئی کہانی زیادہ خوفناک نہ تھی۔ باجی۔ اس بار میں لطیفے نہ پڑھ سکا۔ کیونکہ رسالے میں ۱۲۸ سے ۱۴۵ تک کے صفحات غائب تھے۔

○ـــ بھئی یاسین میاں ... ادارہ آنکھ مچولی اب تک اپنی باجی سے محروم ہے، یہاں سب بھائی جان ہیں۔ نوٹ فرمایئے۔ آپ کو اپنا شمارہ بک اسٹال والوں کو واپس کر دینا چاہیے تھا۔

ایم مظہر ولایت جھیوڑانوالی گجرات ،۔ ڈاکیہ ڈاک لایا، لیکن میری ڈاک کبھی نہیں لایا۔ اب تو میرے کلاس فیلو بھی میرا مذاق اُڑانے لگے ہیں کہ تم دو سال سے آنکھ مچولی پڑھ رہے ہو کیا کبھی تمہاری کوئی چیز بھی چھپی ہے ؛ شمارے میں پہلے جیسی لذت نہیں رہی۔ مجھے یہ بتا دیں کہ رسالہ بچوں کا ہے یا بڑوں کا ؟

○ـــ آپ نے سوچا ہے کہ ڈاکیہ جو سب کی ڈاک پہنچاتا ہے اس کی اپنی ڈاک کتنی آتی ہے ؟ میرے عزیز ! رسالہ پڑھنا ایک بات ہے اور اس میں چھپنا بالکل دوسری بات۔ دونوں باتوں کو گڈمڈ نہیں کرنا چاہیئے۔ اور یہ بھی بتائیے اگر رسالے میں آپ کی کوئی چیز چھپ جائے تو کیا رسالے کی وہ ساری خرابیاں دور ہو جائیں گی جو آپ کو نظر آرہی ہیں۔

لقمہ مسلمہ (مشہر کا نام نہیں لکھا) ،خوفناک نمبر، کے سرورق پر آپ نے لکھا ہے کہ کمزور دل بچے اسے نہ پڑھیں۔ اس دور کے بچے جنوں اور بھوتوں سے ڈرنے والے نہیں ہیں ؛ خوفناک نمبر، کو خوفناک بنانے میں آپ نے کوئی کسر نہ چھوڑی

لیکن یہ علیحدہ بات کہ بچے ڈرنے کے بجائے چڑیلوں اور بھوتوں کی اتنی اچھی تصویریں شائع کرنے پر دل کھول کر داد دے رہے ہیں۔

○— سچ مچ آج کے بچے نڈر ہیں، بہادر ہیں، بیباک ہیں۔ ہم نے اُنہیں ڈرانا چاہا اور انہوں نے ہمارا مذاق اُڑایا۔ ویسے چپکے سے بتائیے: "چھُن چھُن چھُن" اور "بے چین روح" رات کے وقت پڑھتے ہوئے آپ نے دروازے اور کھڑکی طرف کتنی بار دیکھا تھا...؟

فرحانہ جاوید۔ دھلی کالونی۔ کراچی:- "خوفناک نمبر" واقعی بہت خوفناک لگا۔ جمیل جالبی صاحب کی کہانی پڑھ کر سوئی! رات کو دو دفعہ ڈر کے مارے آنکھ کھُل گئی۔ اور میں امی سے لپٹ کر سو گئی۔ خیر میں تو ویسے ہی بزدل ہوں۔

○— شاید آپ کو یہ سُن کر تعجب ہو کہ ڈاکٹر جمیل جالبی صاحب نے جب یہ کہانی ایک محفل میں سُنائی تھی تو ایک خاتون بے ہوش ہو گئی تھیں۔ اس لحاظ سے آپ تو بہت بہادر نکلیں۔ اور خوف تو بڑے بڑوں کو محسوس ہوتا ہے آپ تو پھر چھوٹی ہیں۔

رات کا ایک بجا تھا۔ گھر میں سب لوگ سو چکے تھے۔ میں اسکول کی پڑھائی سے فارغ ہو کر بستر پر لیٹ گیا اور آنکھ مچولی کے "خوفناک نمبر" کی ورق گردانی کرنے لگا۔ کہانی "چھُن چھُن چھُن" دلچسپ لگی۔ جُوں جُوں پڑھتا گیا، دل کی دھڑکن تیز ہوتی گئی۔ نظریں بار بار دروازے کی طرف اُٹھ رہی تھیں۔۔۔ پیشانی پر پسینے کے قطرے سے نمودار ہو گئے۔ اچانک دھم کی آواز آئی، رسالہ میرے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ پھر یکایک خیال آیا اوپر کے فلیٹ سے اکثر ایسی آوازیں آتی ہیں۔ شرمندگی سی ہوئی۔ رسالہ اُٹھا کر دوبارہ پڑھنا شروع کیا۔۔۔ "بے چین روح" پڑھ کر میری آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں، خوف کے سائے دریچے پر لہرانے لگے اور میں بے ہوش ہوتے ہوتے بچا...، خوفناک نمبر سے ایک فائدہ مجھے یہ ہوا کہ اب میں بہت مضبوط دل کا مالک بن گیا ہوں...

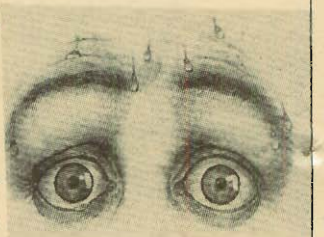

عاصم سفیر
- یو پی سوسائٹی - کراچی

○— درست لکھا ہے آپ نے۔ آج کے بچے ذہین ہیں جس کا ثبوت آپ کا خط ہے۔ امید ہے جب مستقبل میں اس دنیا کا نظام آپ جیسے بچوں کے ہاتھوں میں ہوگا تو انسان اپنے آپ کو پہچان چکا ہوگا اور دوسرے انسان پر ظلم کرنا بھی بند کر دے گا۔ ہم اپنے رسالے کو بہتر بنانے کے لیے مسلسل کوشش کر رہے ہیں۔ بس آپ لوگوں کے تعاون کی ضرورت ہے۔

ملک فضل ربی راھی اعوان، کراچی:- خوفناک نمبر کا سرورق جیسے ہی دیکھا خوف سے آنکھیں بند کر لیں پھر خیال آیا کہ ہم کوئی کمزور دل بچے تھوڑے ہی ہیں۔ ویسے اگر آپ سال میں ایک اسپورٹس نمبر بھی نکالیں تو کیا ہی بات ہے

○— اسکاؤٹس اسپیشل اور کرکٹ اسپیشل ہم نکال چکے ہیں۔ اسپورٹس نمبر کی تجویز پر بھی غور کریں گے۔

سکندر علی مونڈرہ۔ لیاری، کراچی:- اگر آپ کے پاس نئے سال کی ڈائری ہو تو مجھے ضرور بھیجیے، کیوں کہ مجھے اس

کی سخت ضرورت ہے اور میں آپ کا بہت شکر گزار ہوں گا۔

○ — پیارے بھائی... نئے سال کی ڈائری تو خود ہمارے پاس بھی نہیں ہے۔ اگر کوئی ساتھی آپ کو ڈائری تحفے میں بھیجنا چاہے تو آپ کے پتے نیو کمہارواڑا روڈ، راشن شاپ ۳۰۰۳، لیاری کے پتے پر بھیج سکتا ہے۔

محمد اظفر، ملیر، کراچی :- اپنی زندگی کے تیسرے سال میں آنکھ مچولی کے صفحات گھٹ گئے ہیں اور قیمت بڑھ گئی ہے کیا کاغذ کی قیمت صرف آنکھ مچولی ہی کے لیے زیادہ ہوئی ہے۔ برائے مہربانی آپ موجودہ قیمت ہی میں صفحات میں اضافہ کیجیے۔

○ — آپ نے قیمت کے مقابلے میں آنکھ مچولی کا موازنہ دوسرے رسالوں سے کیا ہے۔ لیکن معیار کے لحاظ سے بھی تو آپ دوسرے پرچوں سے اس کا مقابلہ کیجیے۔ کون سا پرچہ ایسا ہے جو آنکھ مچولی کی طرح اتنے رنگین صفحات دیتا ہو، تحائف دیتا دیتا ہو، اتنے خصوصی شمارے چھاپتا ہو، لکھنے والوں کو معاوضہ دیتا ہو، اتنے انعامی مقابلے منعقد کراتا ہو، جب آنکھ مچولی ہر معاملے میں دوسروں سے آگے ہے تو قیمت کے معاملے میں کیوں پیچھے رہے...؟

محمد حسیب القادر یزدالفر۔ ملتان :- ایک بھائی نے تجویز پیش کی تھی کہ آنکھ مچولی کے صفحات بڑھادیں مگر میری تجویز ہے کہ صفحے نہ بڑھائیں بلکہ ہر تین ماہ میں ایک خاص نمبر نکالا کریں۔ مثلاً سائنس نمبر، پاکستان نمبر، سالگرہ نمبر وغیرہ۔ یہ سلسلہ صفحے بڑھانے سے بہتر رہے گا۔

○ — آپ کی تجویز پسند آئی، لیکن ہر تین ماہ میں ایک نمبر نکالنے میں عملی دشواریاں بھی ہیں۔ آپ جانتے ہیں نمبر نکالنے کے لیے کتنی تیاری کرنی پڑتی ہے، پھر یہ کہ خاص نمبر کی قیمت بھی زیادہ ہوگی... ہمارے ساتھی پتا نہیں اسے پسند کریں گے یا نہیں۔ بہرحال غور کر لیتے ہیں۔

عبدالقدوس قریشی، تحصیل پنڈدادنخان، جہلم :- آپ سے شکایت ہے کہ قلمی دوستی کے کوپن میں ہر دفعہ کالج کے دو ایک طالب علموں کا تعارف چھپ جاتا ہے۔ جس سے اسکول کے طالب علموں کا حق مارا جاتا ہے۔ حالانکہ آپ کی شرط ہے کہ قلمی دوستی میں صرف اسکول کے طلبہ کا تعارف چھپے گا۔

ماہنامہ آنکھ مچولی کا مقبول ترین سلسلہ تحریر

اخلاق احمد کی مُہماتی کہانیوں کا دلچسپ مجموعہ

- بُرائیوں سے برسرِپیکار ۴ کمسن مجاہدوں کے کارنامے
- ذہانت اور شجاعت سے بھرپور حیرت انگیز واقعات
- خوبصورت اسکیچز — بہترین تصاویر — اعلیٰ طباعت

حسین سرورق اور ۱۰۰ سے زائد صفحات

"حق اسکواڈ" حاصل کرنے کے لیے ۱۰ روپے کا منی آرڈر یا ڈاک ٹکٹ بھجوا دیں

آپ سے گفتگو

محمد احمد گوندل

آپ پڑھتے ہیں، لکھتے ہیں، کھیل کود میں شریک ہوتے ہیں، اسکول جاتے ہیں اور گھر کے کام کاج میں بھی کبھی ہاتھ بٹاتے ہوں گے ایک کام یہ بھی کیجیے کہ :-

اپنے بستر پر آرام سے لیٹ جائیے۔ بدن کو ڈھیلا چھوڑ دیں۔ اپنی آنکھوں کو بند کر لیجیے اور تصور میں ایک شخصیت کو سامنے لائیے جس کی پیاری پیاری مسکراتی اور قدرے بڑی آنکھیں ہوں۔ کشادہ پیشانی ستواں ناک، مناسب اور باریک ہونٹ، گلابی رنگت۔

قدرے دراز گیسو سیاہ داڑھی، قد متناسب، کھڑے ہوں تو وقار کے ساتھ۔ بیٹھے ہوں تو دو زانو اور گفتگو کر رہے ہوں تو شائستگی اور محبت کے ساتھ۔ چہرے پر متانت کی جھلک آواز میں خوشگوار سی کھنک

ساتھیو --- یہ ہیں ہمارے نبی مکرم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم درود اُن پر سلام اُن پر ---

دوستو ہم بڑے خوش نصیب ہیں کہ ہمیں حضورؐ کے اُمتی ہونے کا شرف حاصل ہے۔ آپ، ہی ہمارے آقا اور رہبر ہیں۔ اُنہی کی دکھائی راہ ہے جو دینِ حق ہے۔ جس پر عمل ہم سب کے لیے دین اور دُنیا میں کامیابی کا پیغام ہے۔

آپؐ کی ذاتِ گرامی اور سیرتِ طاہرہ پر نہ صرف دُنیا بھر میں کتابیں موجود ہیں بلکہ قرآنِ کریم جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجی گئی الہامی اور سچی کتاب ہے میں بھی آپؐ کا ذکرِ مبارک بار بار آیا ہے اور اللہ کریم نے جس محبّت کے ساتھ حضورِ اکرمؐ کا ذکرِ خیر فرمایا اس کا تقاضہ یہ ہے کہ ہم بھی آپؐ سے اتنی ہی محبّت رکھیں اور دل کی گہرائیوں سے اُنہیں اپنا رہبر جانیں۔ ایسا کرنے سے نہ صرف آپ کو سکون اور اطمینانِ قلب حاصل ہوگا بلکہ مالکِ کائنات بھی ہم سے راضی ہوں گے اور اللہ کی رضا سے بڑی نعمت اور کون سی ہو سکتی ہے۔

پیارے بچّو! ہمارے پیارے رسولؐ نے دینِ حق کا یہ پیغام عام کرنے میں بہت سی تکلیفیں برداشت کی ہیں۔ ذرا غور کیجیے کیوں؟

صرف اس لیے کہ اُن کی اُمّت صحیح راستے پر آجائے۔ اور اُس عذابِ عظیم سے بچ جائے جو اللہ اور اُس کے رسولؐ کے نافرمانوں کے لیے ہوگا۔ آپؐ دُنیا میں رحمۃُ اللعالمین بنا کر بھیجے گئے تھے اور آپؐ نے اپنے عمل سے یہ ثابت کر دکھایا کہ ہمیں اپنی زندگی کیسے گزارنی چاہیے چنانچہ ہم سب کو چاہیے کہ اللہ کے محبوب نبیٔ آخر الزماں حضرت محمّد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلّم کے احکامات اور ہدایات پر عمل کریں اور نیکی کے ہر عمل کو خواہ وہ کتنا ہی چھوٹا کیوں نہ ہو اُس کو اپنائیں۔

اللہ تعالیٰ آپ کو خوش و خرم رکھے۔ دین اور پاکستان سے محبت کرنے والا بنائے۔ (آمین)۔

خرابیٔ بسیار

ایک فلاسفر کا کہنا ہے کہ بیس سال کی عمر میں ہمیں اس بات کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی کہ دنیا ہمیں کیا کہتی ہے۔ تیس سال کی عمر میں ہم کسی حد تک سنجیدگی سے یہ جاننے کی کوشش کرنے لگتے ہیں، لیکن چالیس سال کی عمر میں ہم پر یہ راز کھلتا ہے کہ دُنیا کو ہم سے کوئی غرض نہیں اور وہ ہم سے کچھ نہیں کہتی۔

انسانی زندگی

انسانی زندگی مانندِ حباب ہے۔ پَل میں اُبھری پَل میں ڈوبی۔ اس مختصر عرصے میں انسان، چمک دار نگینہ بھی بن سکتا ہے اور بے نُور کانچ کا ٹکڑا بھی۔ وہی بارش کا قطرہ جو سیپ میں بند رہنے سے آب دار موتی بن کر نکلتا ہے، دَلدَل میں گرے تو کیچڑ بھی بن سکتا ہے۔ (محمّد اکرم سیالوی، ماڈکیل والا)

دنیا میرے آگے

دلچسپ خبریں ـــ حیرت انگیز اطلاعات

پاکستانی طلبا کے لیے گولڈ ڈپلوما :- بہاولپور کے صادق پبلک اسکول کے پانچ طالبعلموں کو ہنگری میں ہونے والی پینٹنگز کی نمائش میں گولڈ ڈپلوما دینے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ "رینبو RAINBOW نامی فائن آرٹ کا یہ مقابلہ ۱۹۸۶ء میں منعقد کیا گیا تھا۔ اور اس میں صرف بچوں کی بنائی گئی تصاویر مقابلے میں رکھی گئی تھیں۔ اس تصویری مقابلے کے لیے پاکستان سمیت ۵۰ ممالک سے تصویریں ہنگری پہنچائی گئیں۔ اس بڑی نمائش میں بارہ ہزار بچوں نے اپنی تصاویر کے ذریعے شرکت کی۔ تمام تصاویر کا جائزہ لینے کے بعد نمائش کی جیوری کے ارکان نے مذکورہ بالا اسکول کے طلبا کو گولڈ ڈپلوما دینے کی سفارش کی۔ صادق پبلک اسکول کے جن طلبا کو کامیاب قرار دیا گیا ہے ان کے نام یہ ہیں۔

۱۔ محمد عرفان سید۔ ۱۲ سال ۲۔ اکمل خان ۱۳ سال ۳۔ کاشف نون ۱۴ سال بہ عمیر قمر ۱۴ سال۔ ۵۔ شاہد ملک ۱۴ سال۔ اسلام آباد میں ہنگری کے سفارتخانے سے جاری ہونے والے ایک بیان میں کہا گیا ہے کہ اگلی نمائش "رینبو ۹۰" کے عنوان سے ۱۹۹۰ء میں منعقد ہوگی۔ تمام پاکستانی بچوں سے کہا گیا ہے کہ وہ پاکستان نیشنل کونسل آف آرٹ اور وزارتِ تعلیم کے توسط سے اس مقابلے میں شریک ہو سکتے ہیں۔

کچھوے کی نسل :- کچھوے کی ایک بڑی نسل جو تقریباً ساڑھے چار فٹ لمبی ہوتی ہے۔ آہستہ آہستہ ناپید ہوتی جا رہی ہے۔ اس نسل کو محفوظ کرنے کے لیے لندن کے ایک چڑیا گھر نے فنڈ اکٹھا کرنے کی مہم شروع کی ہے۔ اس کچھوے کا وزن ۳۰۰ کلوگرام تک ہوتا ہے اور یہ زمین پر پائے جانے

والے کچھوؤں میں وزن اور جسامت کے اعتبار سے بڑا سمجھا جاتا ہے۔ اس کچھوے کی اوسط عمر دس برس ہوتی ہے۔ دو سال پہلے تک اس نسل کے ۳۰۰ کچھوے موجود تھے جن کو شکار کے شوقین حضرات نے شکار کرکے کم کرنا شروع کر دیا۔ لندن کے زولوجیکل سوسائٹی کے مطابق ان کچھوؤں کی تعداد اب صرف ۳۷ رہ گئی ہے۔ فنڈ جمع ہوجانے کے بعد ان کچھوؤں کے لیے ایک علیحدہ شیلٹر تعمیر کیا جائے گا جہاں ان کی خصوصی دیکھ بھال کی جائے گی۔

ایفل ٹاور ہلتا ہے: ۳۰۰ میٹر اونچا ایفل ٹاور فرانس کے دارالحکومت پیرس کے وسط میں ۱۸۸۹ء میں نصب کیا گیا۔ اس کو ایک ذہین انجینئر الیگزینڈر ایفل نے ڈیزائن کیا تھا۔ اس ٹاور کو دیکھنے کے لیے ہر سال ۴۵ لاکھ سیاح فرانس آتے ہیں۔ اس ٹاور میں اوپر تک جانے کے لیے سیڑھی اور لفٹ کی سہولت موجود ہے۔ اوپر سے پورے پیرس کا نظارہ کیا جاسکتا ہے۔ حال ہی میں برطانیہ کے معروف اخبار "گارڈین" نے ایک رپورٹ شائع کی ہے جس کے مطابق ایفل ٹاور کا اوپری حصہ اور خاص طور پر سب اوپر کا شہتیر ہوا کے ساتھ ساتھ رُخ بدل لیتا ہے۔ سیاحوں کی سہولت کے لیے ٹاور کے گراؤنڈ فلور پر ایک مشین نصب کی گئی ہے جو اس سلسلے میں سیاحوں کو دلچسپ حقائق سے آگاہ کرتی ہے۔ اس مشین کے مطابق ہوا کی وجہ سے پانچ دفعہ ٹاور ہل چکا ہے۔ پہلی مرتبہ ۱۸۹۳ء میں پھر ۱۹۷۱ء میں، ۱۹۷۹ء، ۱۹۸۴ء اور ۱۹۸۸ء میں ہوا نے ٹاور کو ہلانے کی کوشش کی ہے۔ سب سے شدید جھٹکا ۱۶ جنوری ۱۹۷۱ء کو محسوس کیا گیا جب ۱۶۶ کلومیٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے گرد کا جھکڑ چل رہا تھا۔ ٹاور کا اوپری حصہ اس جھکڑ کی وجہ سے ۱۵ سینٹی میٹر ہل گیا تھا۔ اس ٹاور کے بارے میں ایک اور دلچسپ بات یہ بھی بتائی گئی ہے کہ ہر سات سال بعد اس پر رنگ کیا جاتا ہے جس پہ ۵۰ ٹن رنگ صرف ہوتا ہے۔

سفر مبارک

معلومات بھی ـــــ رہنمائی بھی

حجّاج اور زائرین کے لیے نادر تحفہ!

۲۰۳ صفحات

یہ کتاب آپ صرف ۲ روپے کے ڈاک ٹکٹ ارسال کرکے حاصل کرسکتے ہیں

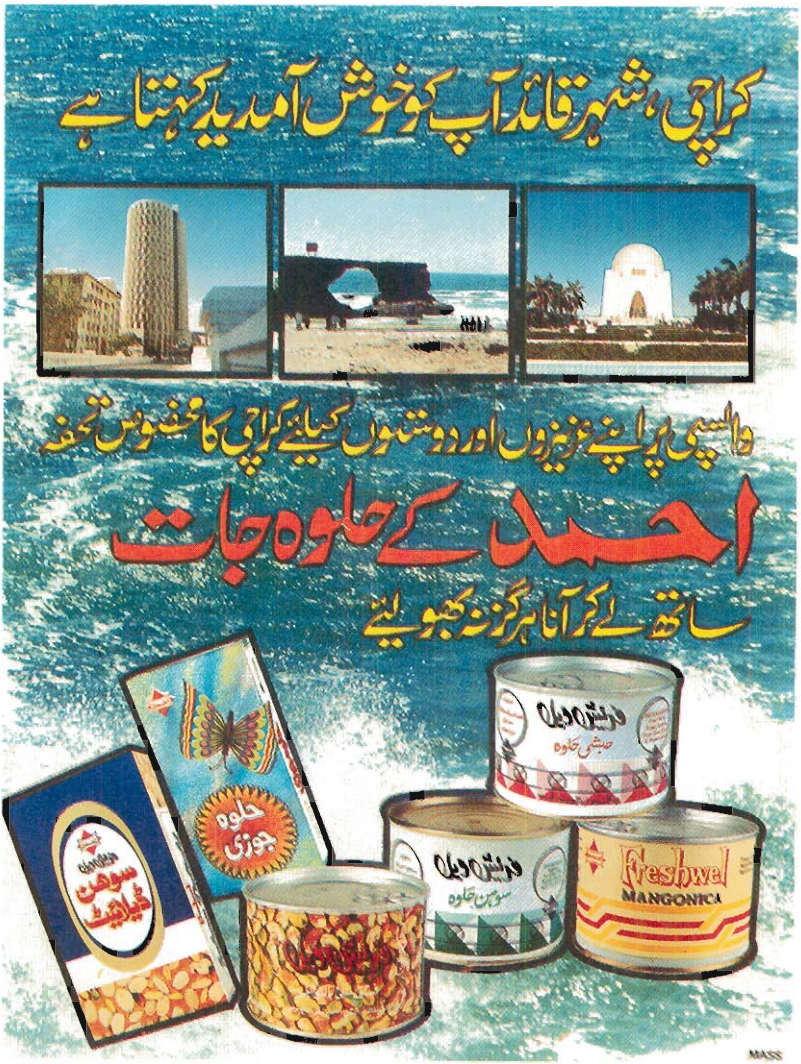

کراچی، شہر قائد آپ کو خوش آمدید کہتا ہے
واپسی پر اپنے عزیزوں اور دوستوں کیلئے کراچی کا مخصوص تحفہ
احمد کے حلوہ جات
ساتھ لے کر آنا ہرگز نہ بھولیے
حبشی حلوہ
حلوہ جوزی
سوہن ڈیلائیٹ
سوہن حلوہ
Freshwel
MANGONICA
MASS

سلیقہ مند چوہے باسلیقہ بلّیاں

تحریر
رُمیصا سلیم

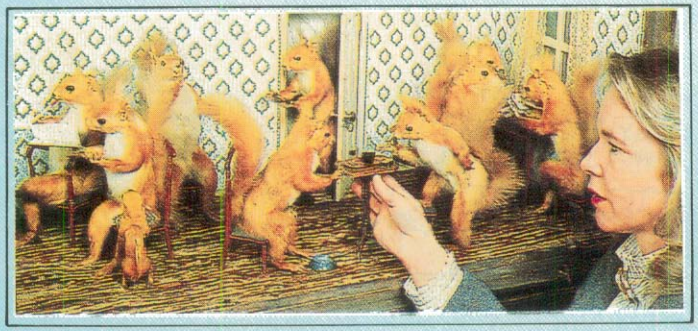

یہ انکشاف ہمارے دیسی چوہوں کے لیے یقیناً شدید صدمے کا باعث ہوگا کہ دنیا میں ایسے سلیقہ مند چوہے بھی ہوتے ہیں جو انسانوں کی طرح بیسا کھی لگا کر چلتے ہیں اور عام انسانی بچّوں کی طرح اسکول کے ڈیسک پر بیٹھ کر پڑھتے لکھتے بھی ہیں۔ آنکھ مچولی کے سرِورق پر چھپی ہوئی چوہوں کی تصاویر اگر ہمارے ہاں کا کوئی چوہا دیکھ لے تو یقیناً وہ شرم سے پانی پانی

ہوجائے گا۔ ایسا ہونا بھی چاہیے۔ آخر خودداری بھی کوئی چیز ہے۔

بات صرف چوہوں کی نہیں ان تصاویر میں تو بلّیاں اور گلہریاں تک اس سلیقے سے کام کرتی نظر آرہی ہیں کہ کوئی انسان بھی کیا کرے گا۔ یقیناً آپ ابھی تک حیرت کے سمندر میں غوطہ زن ہوں گے کہ یہ ماجرا کیا ہے اور یہ بے زبان اور محدود عقل مخلوق انسانوں کی طرح اتنے سلیقے سے کام کس طرح کرلیتی ہے؟ تو لیجئے ہم اس راز سے پردہ اُٹھاتے ہیں!! پردہ اُٹھنے کے بعد نہ آپ کو حیران ہونے کی ضرورت ہوگی اور نہ ہی ہمارے ہاں کے چوہے اور بلّیوں کو شرمندہ ہونے کی۔

ان تصاویر میں چوہے، بلّیاں اور گلہریاں جس پوز میں نظر آرہے ہیں ان سب کا بالکل یہی پوز آج سے سو سال قبل بھی اسی طرح تھا۔۔۔ یہ سارا کمال تو انگریز آرٹسٹ والٹر پولٹر کا ہے جس نے انیسویں صدی کے وسط میں مردہ بلّی چوہوں، گلہریوں اور دیگر حیوانی مخلوق کی کھال بھُس بھر کر اور مختلف کیمیکل لگا کر اُنہیں ہمیشہ کے لیے محفوظ کرلیا۔ نہ صرف محفوظ کیا بلکہ اپنی جمالیاتی حس کو کام میں لاتے ہوئے اُنہیں مختلف کاموں میں مصروف دکھایا۔ کمال تو یہ ہے کہ ان جانوروں کے ایسے پوز بنائے اور ان کے چہروں پر ایسا تاثر پیدا کیا جیسے یہ آج بھی زندہ ہیں اور واقعتاً وہ سب کچھ کر بھی رہے ہیں جو تصویر میں نظر آرہا ہے۔

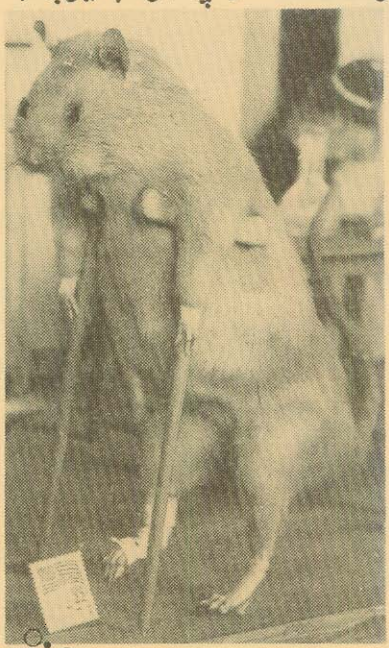

والٹر پولٹر کا یہ تخلیقی کام اپنے معیار کے اعتبار سے اتنا خوبصورت تھا کہ اُسے نہ صرف دنیا بھر میں سراہا گیا بلکہ ان دلچسپ مناظر کو ان تمام اشیاء کے ساتھ لندن ساؤتھ میوزیم میں عوام کی دلچسپی کے لیے رکھا گیا ہے۔

جانوروں سے محبت کرنے والا آرٹسٹ والٹر پولٹر آج زندہ نہیں ہے مگر اس کا یہ حسین شاہکار آج بھی باقی ہے جس نے آرٹ کی دُنیا میں اس عظیم آرٹسٹ کے نام کو زندہ رکھا ہوا ہے۔

دُودھ کی بدولت

ریشم جیسے بال — نرم ملائم کھال

روشن روشن آنکھ — موتی جیسے دانت

کہتے ہیں کہ "صحت مند جسم صحت مند ذہن کی علامت ہے"

ماہرین برسوں کی تحقیق کے بعد دُودھ کو مکمل غذا اور صحت مند جسم کی ضمانت قرار دیتے ہیں۔

اللہ میاں نے دُودھ میں کیلشیم، پروٹین وٹامنز اور بہت سے معدنی اجزا متوازن مقدار میں شامل کر دیے ہیں۔ یہی وہ اجزا ہیں جو اچھی صحت، بیدار ذہن اور خوشگوار زندگی کی ضمانت ہیں۔

اگر آپ نے ہر روز دو گلاس دُودھ پینا اپنی عادت بنا لیا تو گویا آپ نے صحت مندی کا راز پا لیا۔

دانائی کی بات سنو

دُودھ پیو — مضبوط بنو

اشتہار برائے بہبود اطفال، منجانب آنکھ مچولی۔ کراچی

گمنامی سے نیک نامی تک

سیّد کاشان جعفری

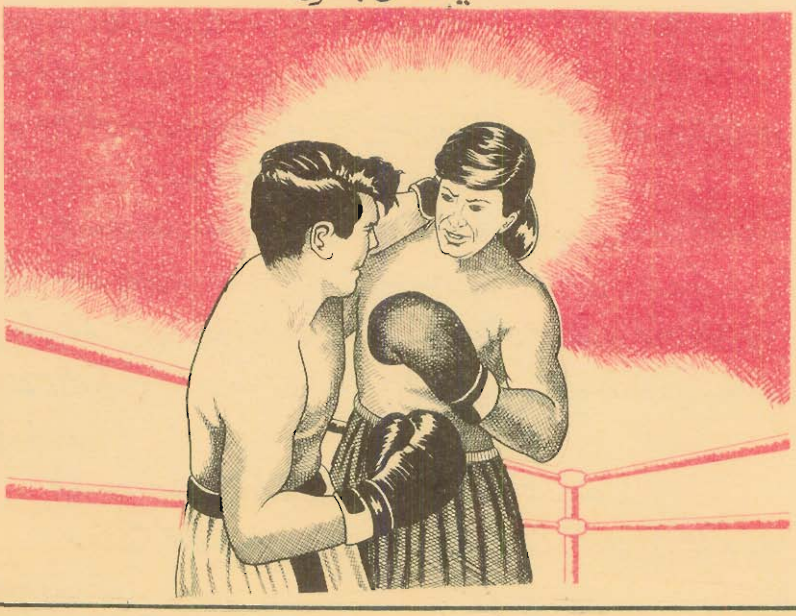

قید اس شخص کی شہرت کا باعث بن گئی

وہ ایک قصّاب کا بیٹا تھا۔ بڑا بیٹا۔ ہر روز صبح سویرے اُٹھ کر وہ بازار سے ناشتے کے لیے ڈبل روٹی اور دُودھ لاتا اور ناشتہ کرنے کے بعد اپنے چھوٹے بہن بھائیوں کو ساتھ لے کر اسکول کا رُخ کرتا۔ دن اسی معمول کے ساتھ گزر رہے تھے کہ ایک دن اچانک اس کا باپ مر گیا۔ باپ کیا مرا، اُس پر اور اس کے گھر والوں پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ یہ ۱۸۰۴ء کی بات ہے۔ اُن دنوں انگلینڈ میں خواتین کو ملازمت کرنے کی اجازت نہ تھی۔ یوں اس کی ماں چاہتے ہوئے بھی اپنے بچّوں کے لیے مزدوری نہیں کر سکتی تھی۔ باپ کی آمدنی میں صرف دال روٹی میسّر آجاتی تھی۔ اس لیے بچت کرنے کا سوال ہی نہیں تھا اور اب اس پر سارے گھر کی ذمّے داری آپڑی تھی

پیٹ کا جہنم بھرنے کے لیے کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی تھا۔ وہ کام کی تلاش میں مارا مارا پھرنے لگا۔ کہیں کوئی کام مل جاتا تو بڑی محنت سے کرتا۔ اور اُجرت لے کر خوشی خوشی گھر لوٹتا۔ ان حالات نے سولہ سال کی عمر میں اسے بے حد سنجیدہ بنا دیا تھا۔

اُسے کئی دنوں سے کہیں کوئی مزدوری نہیں ملی تھی۔ گھر میں کھانے کو کچھ بھی نہیں تھا۔ مسلسل دو دن کے فاقوں نے اس کی ماں اور بھائی بہنوں کو نڈھال کر کے رکھ دیا تھا۔ بڑے تو خیر ہوشمند تھے، وہ اپنے آپ کو سنبھالے رہے، مگر چھوٹے بھوک کی شدّت سے بلک بلک کر رونے لگے۔ آخر اُس سے ضبط نہ ہو سکا اور وہ گھر سے نکل کر بستی کے اس شخص کے پاس جا پہنچا، جس کے متعلق مشہور تھا کہ وہ کام لینے میں بہت سخت اور اُجرت دینے میں بہت کنجوس ہے۔ اُس نے سیٹھ سے کام کی درخواست کی۔

سیٹھ نے اس کے تندرست و توانا سراپے پر ایک بھرپور نظر ڈالی اور بڑی بے پروائی سے بولا: "دیکھو میاں! کام کروانے کی تو مجھے کوئی ضرورت ہے نہیں۔ پہلے ہی میرے پاس کئی مستقل ملازم ہیں، جو مفت کی روٹیاں توڑتے رہتے ہیں۔ لیکن چونکہ تمھارا مرحوم باپ اسی بستی کا ایک نیک اور مخلص شخص تھا اس لیے اس کا خیال کرتے ہوئے میں تمھیں کچھ رقم بطور قرض دے سکتا ہوں... جس سے تم اپنی ضرورت پوری کر سکو۔ بعد میں کہیں اور کام کر کے تم یہ رقم ادا کر دینا۔"

"ٹھیک ہے صاحب! ویسے اگر کام مل جاتا تو اور بہتر ہوتا۔" اس نے منمناتے ہوئے کہا۔

"برخوردار قرض کو بھی غنیمت جانو! ویسے قرض لینے سے پہلے تمھیں میری ایک شرط ماننا ہوگی۔" سیٹھ نے عیاری سے مسکراتے ہوئے کہا۔

"مجھے آپ کی ہر شرط منظور ہے۔" ضرورت مند لڑکے نے مجبوری کے عالم میں بغیر کچھ سوچے ہوئے فوراً کہا۔ جیسے اُسے یہ خوف ہو کہ اگر اُس نے جواب دینے میں دیر کی تو سیٹھ کی نیت بدل جائے گی۔

"ایک گنی پر تمھیں ایک شلنگ ماہانہ سود ادا کرنا ہوگا۔" سیٹھ نے اپنی بتیسی کی نمائش کرتے ہوئے کہا۔

لڑکا یہ شرط سُن کر سہم گیا۔ پھر بڑی لجاجت سے بولا: "جناب کچھ تو رحم کریں — یہ تو بہت زیادہ ہے۔"

"نہیں... ایک پینس بھی کم نہیں ہو سکتا — ایک شلنگ ماہانہ سود سے کم پر تمھیں اگر کہیں اور سے قرض ملے تو تم بخوشی وہاں سے لے لو۔" سیٹھ نے بڑی بے رُخی سے کہا، اور لڑکے کی طرف سے نگاہیں پھیر کر اپنے حساب کتاب میں مصروف ہو گیا۔

لڑکے نے چند لمحے سوچا، لیکن اس کے پاس اس کے سوا کوئی اور راستہ نہ تھا کہ وہ سیٹھ کی شرط پر ہی ایک گنی

بطور قرض حاصل کرلے... آخر اُس نے ایک شلنگ ماہانہ سود ادا کرنے کی شرط منظور کر کے قرض لے لیا اور معاہدے کے کاغذ پر دستخط کر دیے... اُس کاغذ پر کیا عبارت تحریر تھی، لڑکے نے جلدی اور گھبراہٹ میں اُسے پڑھنا ضروری نہ سمجھا۔ وہ قرض کی رقم لے کر جلد از جلد روٹی خرید کر اپنے بھائی بہنوں کے درمیان پہنچ جانا چاہتا تھا۔

مہینے بھر چھوٹے موٹے کام کر کے اُس نے اپنے گھر کا خرچ چلایا اور اتنے پیسے بھی جمع کر لیے کہ بستی کے سیٹھ سے قرض لی ہوئی رقم مع سود واپس کر سکے۔ باہمت اور نوجوان لڑکے نے سیٹھ کے پاس پہنچ کر ایک گنی اور ایک شلنگ اس کے سامنے رکھ دیا۔

"یہ کیا ہے؟" سیٹھ نے حیرانی سے پوچھا۔

"آپ سے قرض لی ہوئی ایک گنی اور شرط کے مطابق ایک مہینے کا ایک شلنگ بطورِ سود"۔ لڑکے نے کہا۔

"ایک ہی گنی!" سیٹھ نے ناگواری کے ساتھ کہا اور بولا "یہاں... تم تو مجھ سے پچاسی گنیاں بطورِ قرض لے گئے تھے۔ یہ دیکھو — اس کاغذ کو — جس میں لکھا ہے کہ تم نے پچاسی گنی کی رقم قرض لی ہے"۔

لڑکا سیٹھ کے اس رویّے پر حیران رہ گیا۔ اُس نے احتجاج کیا تو سیٹھ نے اپنے نوکروں کو بُلوالیا۔ ایک اکیلی جان کئی ملازم، اپنے بچاؤ کے لیے اُس نے بہت ہاتھ پیر مارے مگر نوکروں کی گرفت سے آزاد ہونے میں ناکام رہا۔ اسی دوران سیٹھ نے اپنے ایک ملازم کو بھیج کر پولیس بُلوالی اور اُسے قرض لے کر جھگڑا کرنے کے الزام میں بند کرا دیا۔

عدالت میں مقدمہ پیش ہوا۔ لڑکے نے اپنی بے گناہی کے متعلق بہت کچھ کہا۔ مگر وہ کوئی گواہ یا دستاویزی ثبوت پیش کرنے میں ناکام رہا۔ اس نے عدالت میں چیخ چیخ کر کہا کہ اُس نے صرف ایک گنی قرض لی تھی۔ مگر جج نے سیٹھ کی جانب سے پیش کیے گئے دستاویزی ثبوت کی روشنی میں اس کے خلاف فیصلہ سُنا دیا۔ اور یوں اُس معصوم، بے گناہ، نوعمر لڑکے کو جیل کی سلاخوں کے پیچھے اپنے ناکردہ جُرم کی سزا بھگتنے کے لیے بند کر دیا گیا۔

لڑکے کو بغیر کسی جرم کی سزا پر بہت غصہ آیا۔ اس کے بس میں ہوتا تو وہ بے ایمان سیٹھ اور اس کا ساتھ دینے والے ہر شخص کو اُن کے جھوٹ کا مزا چکھاتا۔ مگر وہ جیل کی دیواروں پر ہی اپنا غصہ اُتار کر رہ گیا۔ جب کبھی اُسے اپنے ساتھ ہونے والی زیادتی کا خیال آتا، اس کی مٹھیاں بھنچ جاتیں اور وہ دیواروں پر مُکّے برسانے لگتا۔ جیسے وہ ظلم کے خلاف لڑ رہا ہو!

ایک دن کھانا تقسیم کرنے والے شخص کے ساتھ اس کی تکرار ہوگئی۔ اس نے دوسرے قیدیوں کے مقابلے میں اُسے ایک روٹی کم دی تھی۔ جب اس نے دیکھا کہ جیل کا کارکن بھی اس کے احتجاج کو نظر انداز کر رہا ہے تو اس کا سویا ہوا غصہ جاگ اٹھا، اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ ایک زبردست مُکّا اس کی ناک پر رسید کر دیا۔ مُکّا اس قدر شدید تھا کہ جیل کا وہ کارکن فوراً بے ہوش ہوگیا۔ اس واقعے سے جیل کے حکّام اس لڑکے پر سخت برہم ہوئے اور اُسے کوئی سبق آموز سزا دینے

اتفاق سے جن دنوں یہ واقعہ ہوا، برٹش ہیوی ویٹ چیمپئین ہینری پیرس نے جیل کا دورہ کیا۔ ہینری پیرس کی عادت تھی کہ وہ سال میں ایک دو مرتبہ جیل میں بند قیدیوں سے ملنے کے لیے ضرور آتا اور نمائشی مقابلوں میں حصّہ لے کر انہیں محظوظ کرتا۔ جیل کے حکّام ہینری پیرس کے آنے کی خبر سُن کر لڑکے کی سزا کے سلسلے میں فیصلہ کُن نتیجے پر پہنچ گئے۔ اُنھوں نے ہنری پیرس سے کہا کہ وہ اس بار جیل کے کسی قیدی کے ساتھ باکسنگ کا نمائشی مقابلہ کرے۔ ہنری نے جیل کے حکّام کی درخواست منظور کر لی۔

جیل کے احاطے میں چار کھونٹے گاڑ کر رنگ بنا لیا گیا... اور نوجوان لڑکے کو باکسنگ مقابلے کے لیے برٹش ہیوی ویٹ چیمپئین ہنری پیرس کے سامنے لا کھڑا کر دیا گیا۔

مقابلہ شروع ہوا، پیرس پہلے تو جان بوجھ کر خود ہی اِدھر اُدھر اُچھلتا رہا۔ مگر جب اس نے محسوس کیا کہ نوجوان لڑکا مذاق نہیں کر رہا ہے تو سنجیدگی سے مقابلہ کرنے لگا۔ اس نے کئی بار پے دَرپے حملے کیے مگر لڑکے نے بڑی پھُرتی سے اُس کے ہر حملے کو ناکام بنا دیا۔

پہلے راؤنڈ میں لڑکے نے یہ کامیابی حاصل کی کہ اُس نے پیرس کا ایک بھی مُکّا اپنے جسم پر نہیں پڑنے دیا۔ دوسرے راؤنڈ میں اس نے پیرس کے ایک زوردار پنچ لگایا۔ پنچ کی ضرب سے پیرس کی پیشانی پھٹ گئی۔ اور اس سے خون بہنے لگا۔ یہ راؤنڈ اس قدر زبردست تھا کہ جیل کے حکّام اور قیدی تماشائی دم بخود رہ گئے۔ پھٹی ہوئی پیشانی کا خون بہہ کر پیرس کے چہرے پر پھیلنے لگا تو مقابلہ ختم کرا دیا گیا۔ قیدی اپنے جانباز ساتھی کی فتح پر دیوانہ وار رقص کرنے لگے۔ دوسری طرف جیل کے حکّام اپنا منصوبہ ناکام ہونے پر پریشان اور آزُردہ تھے۔

باکسنگ کے اس مقابلے نے نوجوان کی زندگی کا رُخ بدل کر رکھ دیا۔ ہنری پیرس نے جیل سے باہر آکر اس مقابلے کا ذکر اپنے ایک ایسے دوست سے کیا، جو نہ صرف باکسنگ کا شوقین تھا بلکہ اسے خُدا نے دولت کے ساتھ ایک دردمند دل بھی دیا تھا... اس نے طے کر لیا کہ جیل کی سلاخوں کے پیچھے رہنے والے اس گمنام نوجوان کو مشہور و معروف باکسر بنا کر دم لے گا۔ اس خیال کو عملی جامہ پہنانے کے لیے سب سے پہلے بستی کے سیٹھ سے مل کر نوجوان کا لیا ہوا جھوٹا قرض ادا کیا۔ اور پھر اس سے درخواست لکھوا کر عدالت سے اس کا مقدمہ ختم کرا کے نوجوان کو جیل سے رہائی دلوائی۔

اس نے نوجوان کے لیے باکسنگ کی اعلیٰ تربیت کا انتظام کیا۔ کچھ ہی عرصے بعد وہ نوجوان لڑکا ایک ناقابلِ شکست باکسر کی حیثیت سے برطانیہ بھر میں مشہور ہو گیا۔ بعد میں اس کی شہرت برطانیہ سے نکل کر دُور دراز کے ملکوں تک جا پہنچی۔ اس نے بے شمار دولت حاصل کی پھر یہی گمنام، غریب اور یتیم لڑکا برطانوی پارلیمنٹ کا رکن بھی منتخب ہوا۔ ۱۸۶۳ء میں جب اس کی وفات ہوئی تو پورے برطانیہ میں اس کی موت پر سوگ منایا گیا۔ مرتے وقت وہ ایک بڑی جائیداد اور دس لاکھ پونڈ کا مالک تھا۔

جرأت، محنت اور مسلسل جدوجہد کی علامت بن جانے والے اس نوجوان کا نام جان گلی تھا۔

محمد سلیم مغل

"پ" سے پنسل

پنسل ایجاد ہے یا دریافت ایک معلوماتی مضمون

لکھنے کا تصور خاصا قدیم ہے، اسی طرح پنسل سے لکھنے کا تصور بھی کوئی نیا نہیں۔ قدیم یونانیوں اور قدیم رومیوں سے لے کر حضرت عیسیٰؑ تک پنسل کے استعمال کے بہت سے شواہد ملتے ہیں۔ مگر اس دور کی پنسل آج کی پنسل سے خاصی مختلف اور اس کا استعمال بھی مختلف تھا۔ پنسل لاطینی زبان کا لفظ ہے جسے قدیم لاطینی میں PENICILLUS کہا جاتا تھا۔ بعد میں یہ نام پنسل کہلایا۔ آج جو پنسل ہم استعمال کرتے ہیں اسے کاربن کی ایک قسم یعنی گریفائیٹ سے تیار کیا جاتا ہے۔ جب کہ قدیم پنسل شیشے کی ایک پتلی سلائی کی صورت میں ہوتی اور اسے زیادہ تر سطریں کھینچنے یا پھر نشان لگانے کے لیے استعمال کیا جاتا۔

پینسل کے لیے گریفائیٹ کا استعمال بڑے عجیب و غریب واقعے سے شروع ہوا۔ ۱۵۶۴ء میں انگلستان میں آنے والے ایک شدید طوفان کے نتیجے میں ایک درخت جڑ سے اکھڑ گیا اور زمین کے نیچے سے سیاہ رنگ کا ایک مادہ نکلنے لگا۔ ایک کسان نے اس مادّے کا بغور جائزہ لیا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ یہ مادّہ نشان لگانے کے لیے سیسے سے بہتر ثابت ہو سکتا ہے۔ لہٰذا اس نے زمین سے نکلنے والے مادّے یعنی گریفائیٹ سے پینسل بنائی اور سب سے پہلے اسے بھیڑوں پر نشان لگانے کے لیے استعمال کیا۔

۱۵۸۴ء میں انگلستان میں گریفائیٹ کی کان دریافت ہوئی تو بڑی تیزی سے اس مادّے کی پینسلوں کا رواج عام ہوا۔ انگلستان کا گریفائیٹ اتنا سخت ہوتا تھا کہ اس کی سلائیاں بنا کر بیچی جاتی تھیں۔ پھر اس خدشے کے پیشِ نظر کہ ہاتھ خراب نہ ہو، اس سلائی پر دھاگہ اور دیگر چیزیں لپیٹی جانے لگیں۔

آج ہم پینسل کو جس شکل میں دیکھتے ہیں یعنی لکڑی کے خول میں بند، اس طرز کی پینسلیں آج سے پورے تین سو سال قبل یعنی ۱۶۸۶ء میں بننا شروع ہوئیں۔

۱۷۹۵ء میں گریفائیٹ اور چکنی مٹی کی آمیزش سے پینسل بننا شروع ہوئی۔ اس کی ابتدا ایک فرانسیسی ماہر کے ہاتھوں ہوئی۔ ۱۸۳۹ء میں ایک جرمن باشندے YOHAN SABAR نے سخت گریفائیٹ کے بجائے اس کا پیسٹ بنالیا۔ اور اس پیسٹ کو پریشر کے ساتھ سوراخ والی لکڑی میں بھرنا شروع کر دیا۔ یہ گویا پینسل بنانے کا ایک نیا طریقہ تھا۔

۱۸۸۵ء میں ایک امریکی HYMAN LIPMAN نے پینسلوں پر ربڑ لگانا شروع کر دیا تاکہ اس کے لکھے ہوئے کو بوقتِ ضرورت مٹایا بھی جا سکے۔ ۱۸۶۶ء میں کلارک نامی ایک امریکی نے ایک ایسی پینسل بنا ڈالی جس کا لکھا ہوا مٹایا نہیں جا سکتا تھا۔ اسے ہم کاپنگ پینسل کہتے ہیں اور یہ قانونی مسوّدات اور اہم سرکاری کاغذات میں استعمال ہوتی ہے۔ ۱۸۷۰ء تک پینسل چوکور یا چپٹی ہوتی تھی۔ پھر اسی سال سے گول پینسلوں کا آغاز ہوا۔ پینسلوں کی صنعت ترقی کرتے کرتے آج اس مقام پر پہنچ گئی ہے کہ ہر شعبے کے لیے علیحدہ پینسل دستیاب ہے۔ ڈاکٹرز کی پینسل، انجینئرز کی پینسل، طالبِ علم کی پینسل اور وکیل کی پینسل... یہ صرف پینسلوں کے نام ہی نہیں بلکہ ان پینسلوں کی علیحدہ علیحدہ خوبیاں بھی ہیں... پینسلوں پر لکھے ہوئے نمبر H.B. یا ایک اور دو وغیرہ اس کی خصوصیات کو ظاہر کرتے ہیں۔ H.B. کا مطلب ہے HARD BLACK یعنی سخت اور سیاہ۔ اسی طرح نمبر ۱ کا مطلب ہے گہری سیاہ۔ سیاہ پینسلوں کے علاوہ رنگ برنگی پینسلیں بھی آج بڑی تعداد میں تیار ہوتی ہیں۔ پینسل کے متعلق یہ بتانا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ دنیا بھر میں استعمال ہونے والی پینسل کا سائز عام طور پر ۷ انچ ہوتا ہے۔

بولی کار

شاہنواز فاروقی

بولی کار ابے او تانگے
کرتا ہے کیوں کھڑ پڑ
بھاگ یہاں سے دور کہیں جا
مت کر میرے ساتھ سفر

بولا تانگہ کار سے، پیاری
خود پر اتنا ناز نہ کر
تو بھی مجھ سی ہو سکتی ہے
بُرے وقت کی کسے خبر

تبھی ہوئی انجن میں کھٹ کھٹ
پھر کھن کھن پھر بھڑ بھڑ بھڑ
بولا شوفر بھولا بھالا
ہوئی کار میں کچھ گڑ بڑ

اُدھر میاں چھکن کا تانگہ
بھاگا آندھی سا سر سر
کار لجا کر چلی بالآخر
لوگوں کے دھکے کھا کر

ماخوذ از ہندی

بچّوں کے قومی انتخاب میں دو دو بھاری اکثریت سے جیت گئے

جیدی اور انکل سرگم کو شکست کا سامنا ، ماسی مصیبتے کی ضمانت ضبط

قومی اسمبلی میں مجھے بچّوں کی نمائندگی کا حق دیا جائے ۔ کامیابی کے بعد ڈو ڈو کا بیان

ڈوڈو کو بچّوں نے ہار پہنائے ۔ جلوس کی قیادت سے انکار کہ اس سے ٹریفک میں خلل پڑتا ہے

بچّوں کے قومی انتخابات میں مقبول آرٹسٹ ڈو ڈو اپنے حریف اُمیدواروں کو شکست دے کر بھاری اکثریت سے کامیاب ہو گئے ۔ یاد رہے کہ ملک کی سیاسی تاریخ میں اپنی نوعیت کے

فتح کے بعد ڈوڈو اپنے اہلِ خانہ اور دوستوں کے ساتھ

یہ منفرد انتخابات ماہنامہ آنکھ مچولی کے زیرِ اہتمام دسمبر ۸۸ء میں منعقد ہوئے تھے۔ جس میں پوسٹل بیلٹ کے ذریعے ایک ہزار ۲۵۴ ووٹروں نے اپنی رائے کا اظہار کیا۔ ان انتخابات میں جس کے تمام ووٹر بچوں پر مشتمل تھے۔ چار امیدواروں نے حصّہ لیا تھا۔ ڈوڈو (انتخابی نشان ۔ بستہ ۔) جیدی (انتخابی نشان۔ کدو) ماسی مصیبتے (انتخابی۔ نشان۔ چمٹا) انکل سرگم (انتخابی نشان۔ گدھا۔) دسمبر کے شمارے میں ان چاروں امیدواروں کا انتخابی منشور اور اُن کی انتخابی تقریریں بھی شائع کی گئی تھیں اور ساتھ ہی بیلٹ پیپر بھی ووٹرز کو فراہم کیا گیا تھا۔ ان انتخابات میں ملک بھر کے بچّوں نے غیر معمولی دلچسپی ظاہر کی ایک ہزار ۲۵۴ ووٹوں میں سے پانچ ووٹ مسترد کر دیے گئے کیونکہ اُن میں ووٹروں نے قاعدے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے ایک سے زیادہ امیدواروں کے انتخابی نشانات کے آگے کراس (x) کا نشان بنا دیا تھا۔ اس طرح چیف الیکشن کمشنر نے ان نو ووٹوں کو بوگس قرار دے دیا جن میں اصلی بیلٹ پیپر کے بجائے اُن کے فوٹو اسٹیٹ کو استعمال کیا گیا تھا۔

چیف الیکشن کمشنر نے ووٹوں کی گنتی مکمل ہونے کے بعد نتائج کا اعلان کیا جس کے مطابق ڈوڈو کو کل ووٹوں میں سے آٹھ سو ۵۲ ووٹ ملے اور وہ بھاری اکثریت سے کامیاب قرار دے دیے گئے۔ ڈوڈو کے بعد سب سے زیادہ ووٹ جیدی نے حاصل کیے جنھیں ملنے والے ووٹوں کی تعداد ۲۵۰ رہے۔ انکل سرگم کو ۱۲۰ ووٹ ملے۔ اور ماسی مصیبتے کو سب سے کم یعنی صرف ۱۷ ووٹ پڑے اور اس طرح ان کی ضمانت ضبط ہو گئی۔

انتخابات کے نتائج کے بعد نمائندہ آنکھ مچولی نے کامیاب امیدوار ڈوڈو سے ان کی رہائش گاہ پر ملاقات کی۔ اس موقع پر ڈوڈو کے حامی بچّوں کی بھی ایک تعداد موجود تھی۔ بچّوں نے اپنے رہنما کو پھولوں کے ہار پہنائے اس نمائندے سے گفتگو کرتے ہوئے۔ ڈوڈو نے کہا کہ اُن کی کامیابی سے یہ بات ثابت ہو گئی

ہے کہ ہمارے ملک کے بچوں کا شعور بلند ہے اور وہ کھرے کھوٹے میں تمیز کرنا خوب جانتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ان کی جیت اُن کے منشور کی وجہ سے ہے کیونکہ انھوں نے دوسرے امیدواروں کی طرح بچوں سے جھوٹے اور دِلفریب وعدے نہیں کیے تھے۔ ڈوڈو نے مُسکراتے ہوئے کہا کہ بڑوں کو ان انتخابی نتائج پر غور کرنا چاہیے اور ان نتائج سے کچھ سیکھ لینے میں بھی کوئی حرج نہیں۔ ڈوڈو نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ چونکہ وہ بچوں کے حلقۂ انتخابات سے واحد منتخب نمائندے ہیں جنہیں بچوں کا اعتماد حاصل ہے۔ لہٰذا انھیں قومی اسمبلی میں نمائندگی کا حق ملنا چاہیے۔

جب نمائندے نے ڈوڈو کو یاد دلایا کہ بچوں کو ووٹ دینے تک کا حق حاصل نہیں ہے۔ اسی صورت میں قومی اسمبلی میں نمائندگی کا حق کیسے مِل سکتا ہے؟ صحت مند نوعمر رہنما نے کہا کہ یہ ہمارے جدّوجہد کی ابتدا ہے اور ہم پُرامن طریقے سے اپنے مسائل حل کرنے کی جانب قدم بڑھائیں گے۔ انہوں نے کہا کہ اس ملک کی آئندہ باگ ڈور بچوں کو سنبھالنی ہے لہٰذا وہ اپنے اردگرد کی صورتِ حال سے کیسے آنکھیں بند کر سکتے ہیں۔ انہوں نے مزید کہا کہ اسکولوں میں تعلیم کا معیار پست ہو چکا ہے۔ لاکھوں بچوں پر تعلیم کے دروازے بند ہیں۔ انھیں مناسب تعلیم، علاج، اور رہائش کی سہولتیں تک دستیاب نہیں ہیں۔ شہروں میں کھیل کے میدان اور پارکیں بھی نہیں ہیں۔ پینے کے لیے صاف پانی اور رہنے کے لیے

ڈوڈو اپنے عزیز ترین دوست سے مبارک باد اور پھولوں کا ہار وصول کرتے ہوئے۔

اچھا ماحول بھی نہیں ہے۔ حکومت کو ان مسائل پر توجہ دینی چاہیئے۔ ڈوڈو نے کہا کہ محض تقریریں کرنے اور جلوس نکالنے سے کام نہیں چلے گا۔ ہمیں صحیح منصوبہ بندی کرنی پڑے گی۔ اور خلوص و محنت سے کام کرنا پڑے گا۔ تبھی ہم آج کے پاکستان کو قائداعظمؒ کا پاکستان بنا سکتے ہیں۔ انہوں نے ایک سوال کے جواب میں کہا کہ اگر مجھے اسمبلی میں نمائندگی کا حق دیا گیا تو میں وہاں بچوں کے مسائل پیش کر کے انہیں حل کراؤں گا۔

ڈوڈو کے اہلِ خانہ جو ڈوڈو کی کامیابی سے بے حد خوش نظر آرہے تھے انہوں نے ڈوڈو کو خوب پیار کیا۔ اس موقع پر ڈوڈو کے حامیوں نے ڈوڈو کو کندھے پر بٹھا کر جلوس نکالنے کی تجویز پیش کی، لیکن انہوں نے اس تجویز کو یہ کہہ کر مسترد کر دیا کہ جلوس نکالنے سے ٹریفک میں خلل پڑتا ہے۔ لوگوں کو پریشانیاں اُٹھانی پڑتی ہیں اور ہم مسائل حل کرنے آئے ہیں، مسائل پیدا کرنے نہیں۔ یہ سُن کر، بچوں نے "ڈوڈو بھائی زندہ باد، ہمارا قائد، ہمارا قائد ڈوڈو بھائی، ڈوڈو بھائی" کے نعرے لگائے۔ بچوں کے اصرار پر ڈوڈو نے اپنے مختصر خطاب میں کہا کہ "میں آپ لوگوں کا قائد نہیں۔ ہمارے اصلی قائد... قائداعظمؒ تھے۔ اور ہمیں ان ہی کے اصولوں پر چلنا ہے... میں تو آپ کا دوست ہوں..."

انتخابی نتائج ایک نظر میں

کل ڈالے گئے ووٹ۔	۱۲۵۴
مسترد شدہ ووٹ۔	۵
بوگس ووٹ۔	۹
ڈوڈو۔	۸۵۲
جیدی۔	۲۵۰
انکل سرگم۔	۱۲۰
ماسی مصیبتے۔	۱۷

وہ دو دنیاؤں کے بیچ کھڑا تھا، ایک دنیا میں روشنیاں تھیں اور دوسری میں اندھیرے

خوش نصیب

محمد سعید اختر

سلیم پتا نہیں کیوں آج سخت تھکن محسوس کر رہا تھا۔ شاید اس کی وجہ وہ سزا تھی کہ جو آج اسکول میں اسے کام مکمل نہ کرنے پر ملی تھی۔

شام کا وقت تھا اور وہ ایک معروف شاہراہ پر کھڑا تھا۔ اس کے ہاتھ میں چنبیلی اور گلاب کے پھولوں کی مالائیں لٹک رہی تھیں۔ وہ اسکول کے بعد شہر کی شاہراہوں پر پھولوں کی مالا بیچتا پھرتا تھا۔ جس سے دس پندرہ روپے کی آمدنی ہو جاتی ہے۔

وہ ساتویں کلاس میں پڑھتا تھا۔ اس کے دو چھوٹے بھائی اور ایک بڑی بہن تھی۔ دونوں بھائی بھی اسکول پڑھنے جایا کرتے تھے۔ البتہ بڑی بہن نے پانچویں تک پڑھا تھا اور اب گھر پر ہی مختلف کام کرتی تھی۔ اس کا باپ ایک مل میں مزدوری کرتا تھا، مگر اس کی مزدوری اتنی کم تھی کہ اگر وہ سب مل کر کام نہ کرتے تو گھر کا خرچہ چلنا بہت مشکل ہو جاتا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اتنی چھوٹی عمر سے ہی کام کرنے لگا تھا۔ صبح پڑھنے جاتا اور شام پھول بیچا کرتا... زندگی اسی طرح گزر رہی تھی۔

آج بھی حسبِ معمول چار بجے کے قریب وہ گھر سے نکلا تھا اور اب چھ بج رہے تھے، لیکن آج خلافِ معمول وہ سخت تھکن محسوس کرنے لگا تھا۔ اُس نے سوچا کہ آج وہ جلدی گھر چلا جائے گا۔ وہ تھوڑی دیر مزید وہاں رُکا رہا۔ جیسے ہی سگنل پر گاڑیاں آ کر ٹھہرتیں وہ دوڑ کر اُن کے قریب جاتا۔ چنبیلی اور گلاب کے پھولوں کی مالائیں لہراتا ہُوا وہ تیزی سے اِدھر سے اُدھر پھرنے لگتا۔ کچھ لوگ اپنی پسند کے پھولوں کی مالا خرید لیتے اور کچھ گردن اور ہاتھ کے اشارے سے منع کر دیتے۔

پھر وہ اپنے گھر جانے کے لیے ایک ذیلی سڑک پر مُڑ گیا۔ وہ روزانہ انہی راستوں پر سے گزرتا تھا۔ وہی سڑکیں، وہی بازار وہی گلیاں... اور وہی جانے پہچانے لوگ...

وہ اپنی دُھن میں چلا جا رہا تھا۔ یہ بڑا خوبصورت علاقہ تھا۔ اور یہاں زیادہ تر امیر لوگ رہتے تھے۔ بڑی بڑی کوٹھیاں بنگلے۔ گاڑیاں، کاریں۔ دفعتاً وہ ٹھٹک کر رُک گیا۔ ایک کوٹھی کے لان میں چہل پہل نظر آ رہی تھی۔

آج آٹھ سالہ نومی کی سالگرہ تھی۔ ساری کوٹھی برقی قمقموں سے جگمگا رہی تھی۔ حالانکہ ابھی تو شام تھی۔ نومی بہت خوش تھا۔ اس کے جسم پر بڑا قیمتی اور خوبصورت لباس تھا۔ وہاں پر موجود سب لوگوں اور بچّوں کے جسموں پر بھی قیمتی لباس تھے چونکہ موسم بیحد خوشگوار تھا۔ اس وجہ سے باہر بڑے سارے لان میں ہی سالگرہ کا کیک کاٹنے کی تقریب ادا ہونی تھی۔

ایک میز پر خوبصورت کیک رکھا ہُوا تھا اور اس پر آٹھ موم بتّیاں لگی ہوئی تھیں۔

میز پر ہی وہ ڈھیر سارے تحفے ترتیب سے رکھے ہوئے تھے کہ جو نومی کو اس کے دوستوں اور عزیز رشتہ داروں کی جانب سے سالگرہ کی خوشی میں ملے تھے۔

سب بچے بھی بہت خوش تھے اور اِدھر اُدھر لان میں گھوم رہے تھے۔ بڑے لوگ اپنی اپنی باتوں میں مصروف تھے۔ ان کے چہروں سے بھی اطمینان اور خوشی کا احساس ہو رہا تھا۔

سلیم کوٹھی کے گیٹ پر آ کر رُک گیا۔ اُسے یہ سب کچھ بڑا اچھا لگا۔ اُسے یہ اندازہ لگانے میں کوئی مشکل پیش نہیں آئی کہ یہ سالگرہ کی تقریب ہے، پھر اُس نے یہ بھی اندازہ لگا لیا کہ کس کی سالگرہ ہے۔

نومی سب سے خوبصورت اور منفرد نظر آ رہا تھا۔ سلیم نومی کو، بڑے غور سے دیکھنے لگا۔ دفعتاً سلیم کو اپنے گندے، بوسیدہ سے کپڑوں کا احساس ہُوا۔ اُس نے اپنے کپڑوں کی طرف دیکھا اُس کی آنکھوں میں روشنی ماند سی پڑ گئی۔ اس نے گیٹ سے اپنی کمر نکالی اور کھُلی آنکھوں سے خواب دیکھنے لگا۔ اس نے دیکھا کہ ایسا ہی ایک بڑا سا بنگلہ ہے اور سالگرہ کی ایسی ہی ایک تقریب ہے اور اس کے جسم پر بہت قیمتی اور شاندار لباس ہے اور لوگ اس کے لیے قیمتی تحائف لے کر آ رہے ہیں۔

"بیٹا! ایک مالا تو دو" وہ چونک پڑا۔ کوئی اُس سے پھولوں کی مالا مانگ رہا تھا۔

اس نے گلاب کے پھولوں کی ایک مالا نکال کر اس کی طرف بڑھادی اور پیسے لے کر اندرونی جیب میں رکھ لیے۔ وہ صاحب مالا لے کر نومی کی طرف بڑھ گئے۔

تھوڑی ہی دیر میں اُس کی بہت ساری مالائیں بک گئیں۔ تقریب میں شریک خواتین نے موتیے اور چنبیلی کی مالائیں خرید کر اپنے ہاتھوں اور بالوں میں سجالیں

پھر کسی نے سالگرہ کا کیک کاٹنے کا اعلان کیا۔ اور نومی بھاگ کر میز کے سامنے جا پہنچا جس پر سالگرہ کیک رکھا تھا۔ نومی کے سارے دوست بھی اس کے اِردگرد آکھڑے ہوئے اور پھر "ہیپی برتھ ڈے ٹو یو نومی" کی ہم آہنگ آواز اور تالیوں کے جھُرمٹ میں نومی نے آٹھ موم بتّیاں بُجھائیں اور کیک کاٹا۔

"ہیپی برتھ ڈے ٹو یو نومی" کی آواز دیر تک لان میں گونجتی رہی۔ سلیم گیٹ پر کھڑا محویت سے یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ پھر بچّوں میں کیک تقسیم کیا جانے لگا۔ کسی نے کیک کا ایک ٹکڑا سلیم کو بھی تھما دیا"۔ کیک کتنا میٹھا اور مزیدار ہوگا" اس نے سوچا۔ رنگین ملائم اور خوبصورت کیک کھانے ہی والا تھا کہ معًا اُسے اپنے دونوں چھوٹے بھائیوں کا خیال آیا، وہ کیک گھر جاکر کھائے گا۔ یہ سوچ کر اُس نے کیک کا ٹکڑا پھولوں کی چھوٹی سی ٹوکری میں رکھ لیا۔ کچھ دیر بعد لان خالی ہونے لگا اور لوگ اندر ہال کمرے کی طرف جانے لگے۔

سلیم بھی آگے بڑھ گیا۔ چلتے چلتے اچانک سلیم کی نظر ایک لڑکے پر پڑی جو معذور تھا اور گھسٹ گھسٹ کر چل رہا تھا۔ اس کا رُخ کوڑے کے ڈھیر کی طرف تھا۔

سلیم اپنی جگہ پر ساکت ہوکر رہ گیا۔ وہ معذور اور کمزور سا لڑکا اب کوڑے کے ڈھیر میں کچھ ٹٹول رہا تھا۔ اُسے کوئی شے نظر آگئی۔ اس نے جھپٹ کر وہ شے اُٹھالی۔ سلیم نے دیکھا، ایک ہوئی ڈبل روٹی کا ٹکڑا تھا۔ جسے وہ کھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ سلیم کا دل لرز اُٹھا۔ وہ چھوٹے چھوٹے قدم اُٹھاتا لڑکے کی طرف بڑھا۔

لڑکے نے چونک کر اُسے دیکھا، اُس کی پیلی پیلی آنکھوں میں گہری اداسی اور مایوسی تھی اور چہرے پر نقاہت طاری تھی۔ سلیم نے پھولوں کی ٹوکری میں رکھے ہوئے کیک کے ٹکڑے کو اُٹھایا اور پھر وہ کیک کا ٹکڑا اس معذور لڑکے کی طرف بڑھادیا

لڑکے نے ---خوفزدہ نظروں سے سلیم کو گھورا۔ سلیم نے کہا "لے لو لے لو یہ تمھارے لیے ہے۔ بہت مزیدار ہے یہ لو"
لڑکے نے ہاتھ بڑھاکر وہ کیک کا نرم ملائم ٹکڑا پکڑ لیا۔ اور پھر جلدی جلدی کھانے لگے۔

سلیم دلچسپی سے اُسے دیکھ رہا تھا، لڑکے نے کیک کا ٹکڑا ختم کیا تو اس کی آنکھوں میں سلیم کے لیے تشکّر کے جذبات تھے۔ تھے ۔سلیم کا دل خوشی سے بھر گیا۔ اُس نے اپنے آپ کو بے حد مطمئن اور آسودہ حال محسوس کیا۔ اب اس کے قدم نہایت اعتماد کے ساتھ اپنے گھر کی طرف بڑھ رہے تھے۔

گرچہ چھوٹی ہے ذات کُتّے کی

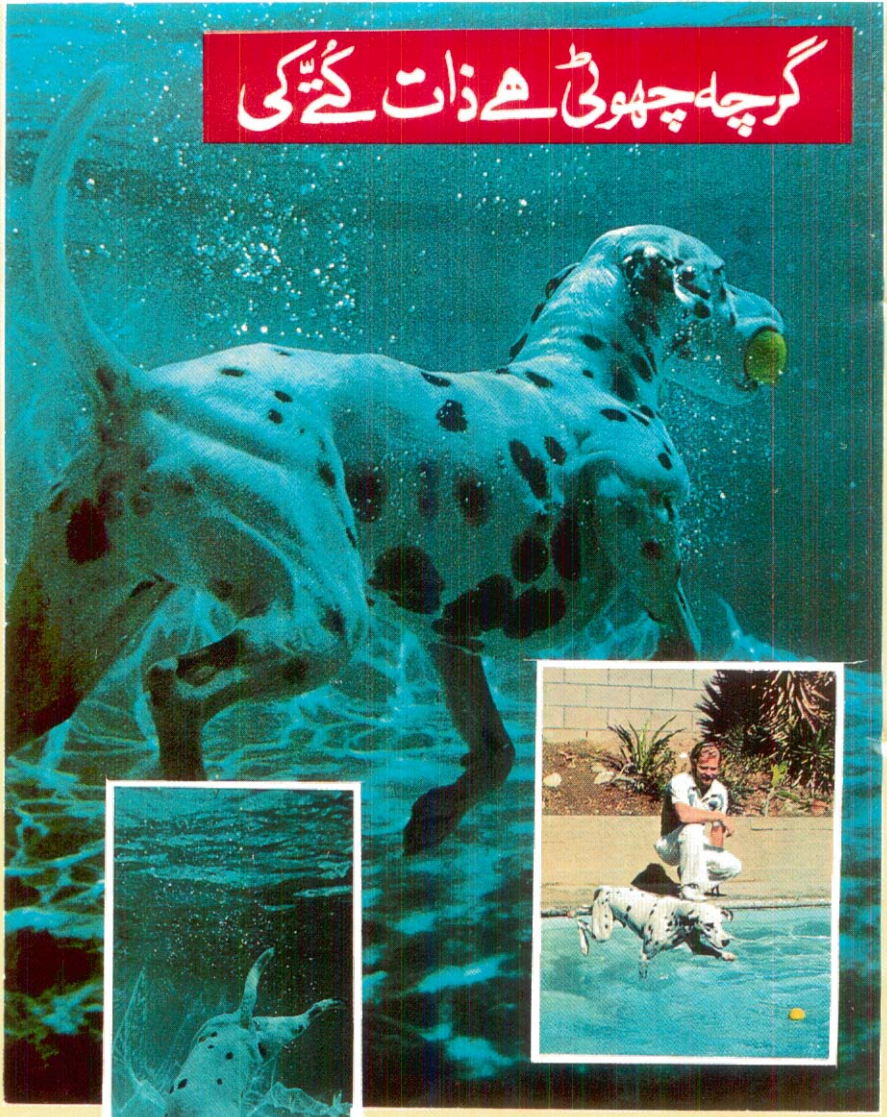

کُتّا ہمارے معاشرے میں حقیر اور کم تر سمجھا جاتا ہے۔ کُتّا کتنا ہی حقیر کیوں نہ ہو اس بات سے تو کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ کتّا اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے ایک اور ذہین ترین ہے۔ گھر کی حفاظت سے لے کر شکار تک اور کھیل کود سے سراغرسانی تک کتّے نے ہر جگہ اپنی صلاحیت کا لوہا منوایا ہے۔

اب اس امریکی کتّے کو ہی دیکھ لیجیے جس کا نام "ایڈمرل پیٹر" ہے۔ اس نام کی وجہ تسمیہ بھی ہے کہ یہ کتّا پانی میں غوطہ لگا کر اس کی گہرائی سے ہر چیز نکال کر لا سکتا ہے

جام جیلی مارملیڈ

اب نئے انٹرنیشنل پیک میں

قدرت نے ذائقہ دیا **احمد** نے محفوظ کیا

وہ کون تھا؟

اخلاق احمد

قسط نمبر ۲

حق اسکواڈ کا ایک پُراسرار معرکہ ...

شہریار کی آنکھ کھلی تو لمحہ بھر کو اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔ وہ نہ جانے کہاں تھا۔

یہ اس کا اپنا کمرہ نہیں تھا۔ کوئی اجنبی جگہ تھی۔ چھت پر پرانا سا پنکھا تھا جس کے پروں کے درمیان مکڑی نے جالا تان رکھا تھا۔ کمرے میں کوئی کھڑکی نہیں تھی۔ کوئی روشن دان نہیں تھا۔ صرف ایک دروازہ تھا جو بند پڑا تھا۔

رفتہ رفتہ شہریار کو سب یاد آنے لگا۔ بے ہوش ہونے سے پہلے اس نے وہ خوفناک چہرہ دیکھا تھا۔ بڑے بڑے دانت۔ جھرّیوں بھرا خوفناک چہرہ۔ بے ہوش ہونے سے پہلے شاید اس نے چیخ بھی ماری تھی۔ مگر پھر.... پھر.... شاید کوئی چیز اس کے سر سے ٹکرائی تھی اور ہر جانب تاریکی پھیل گئی تھی۔ شہریار اٹھ کر بیٹھ گیا۔

کچھ دیر سوچنے کے بعد وہ اٹھا اور اس نے دروازہ کھولنے کی کوشش کی۔ دروازہ باہر سے بند تھا۔ وہ واپس آ کر بستر پر بیٹھ گیا اور سوچنے لگا۔ اسے بے ہوش ہوئے زیادہ دیر نہیں گزری تھی۔ دروازہ کے نیچے جھری سے کسی بلب کی ہلکی سی روشنی آ رہی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ ابھی رات باقی تھی۔

—— کچھ دیر بعد اس نے اٹھ کر پھر دروازے کو جھٹکے سے کھولنے کی کوشش کی۔ مگر دروازہ مضبوط بھی تھا اور سختی سے بند تھا۔ وہ کمرے میں کچھ دیر ٹہلتا رہا۔ "کاش" ——— اس نے سوچا ———
"کاش میں اپنے دوستوں کے ساتھ ہوتا۔ دوست ہوں تو ہر مشکل آسان محسوس ہوتی ہے۔ ضیاء۔ شہزاد اور سرفراز ہوتے تو میں اتنی آسانی سے پکڑا نہیں جاتا۔ ہم چاروں مل کر مقابلہ تو کرتے۔ نہ جانے وہ کون تھا...... وہ بڑے بڑے دانتوں والا...... جھریوں بھرے خوفناک چہرے والا......"

اچانک باہر سے کوئی آہٹ سنائی دی۔

شہریار چونک گیا۔ کوئی اس کے کمرے کی طرف ہی آرہا تھا۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ نہ یہاں کوئی چھپنے کی جگہ تھی اور نہ کوئی ایسی چیز جس کی مدد سے مقابلہ کیا جا سکتا۔

قدموں کی چاپ دروازے کے پاس آکر رک گئی۔

پھر دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔ شہریار خوفزدہ نظروں سے دروازے کی طرف دیکھ رہا تھا۔

———— ○ ———— ○ ————

سرفراز، ضیاء اور شہزاد جو کچھ طے کر چکے تھے، اس کا شہریار کو علم نہیں تھا۔ انہوں نے فیصلہ کیا تھا کہ شہریار کو رات کے وقت تنہا "ہیڈ کوارٹر" کی طرف نہیں آنے دیں گے۔ بلکہ چھپ کر اُس کے پیچھے پیچھے آئیں گے۔

لہٰذا اس رات جب شہریار اکیلا "ہیڈ کوارٹر" کی طرف روانہ ہوا تو اس کے تینوں دوست اس کے تعاقب میں چلے آرہے تھے تینوں خاصے فاصلے پر تھے لیکن ان کی نظریں شہریار پر ہی جمی ہوئی تھیں۔ انہوں نے اسے پہلے ہیڈ کوارٹر کی طرف اور پھر ٹوٹی ہوئی دیوار کی طرف جاتے دیکھا۔

وہ تینوں جھاڑیوں کے پیچھے چھپے ہوئے ابھی یہ سوچ ہی رہے تھے کہ اب کیا کریں۔ اسی وقت رات کے سناٹے میں انہیں ایک چیخ سنائی دی !

شہریار کی چیخ ———!!

سرفراز اچھل کر کھڑا ہو گیا ——— "یہ ..... یہ شہریار کی آواز ہے۔"

ضیاء نے کہا ——— "ہاں"

وہ تینوں اندھا دھند، پوری قوت کے ساتھ آگے کی طرف بھاگنے لگے۔

گھپ اندھیرے میں یوں اندھا دھند بھاگنا حماقت تھی۔ مگر شہریار کی چیخ سننے کے بعد سوچنے سمجھنے کا وقت کہاں تھا۔ سب سے آگے ضیاء تھا جس کی رفتار سب سے تیز تھی۔ لیکن اس

تیز رفتاری نے ہی اسے سب سے پہلے نقصان پہنچایا۔ اس کا پیر رات کے اندھیرے میں کسی پتھر سے الجھا اور وہ دور تک لڑھکتا چلا گیا۔

"ضیاء ___" سرفراز نے دوڑتے دوڑتے کہا اور رک گیا۔

شہزاد بھی رک گیا۔ ان کے سانس پھولے ہوئے تھے۔

سناٹے میں ضیاء کے کراہنے کی آواز آئی تو وہ اس کی طرف بڑھے۔

ضیاء کے سر پر چوٹ آئی تھی اور وہ اب زمین پر بیٹھا سر جھٹک رہا تھا۔

"کیا ہوا ___؟" شہزاد نے پوچھا۔

ضیاء نے ہاتھ بڑھا کر سرفراز کا سہارا لیا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ "کچھ نہیں ہوا۔ ذرا ما بدولت لڑھک گئے تھے۔ میری فکر چھوڑو۔ میں ٹھیک ہوں۔ شہریار کی فکر کرو "

وہ تینوں تیزی سے آگے بڑھے۔

اسی وقت رات کے سناٹے میں کسی کار کا انجن گرجا۔

کار اسٹارٹ ہوئی اور روانہ ہو گئی۔ ان تینوں نے ٹوٹی ہوئی دیوار کے پیچھے سے گزرنے والی سڑک پر اس سفید رنگ کی کار کو گھوم کر تیزی سے گم ہوتے دیکھا۔

ضیاء اچھل کر بھاگا۔ وہ پوری رفتار کے ساتھ کار کی طرف دوڑ رہا تھا۔ مگر کار بہت دور جا چکی تھی اور اس کی رفتار پہلے ہی بہت تیز ہو چکی تھی۔ ضیاء بجلی کی طرح دوڑ رہا تھا لیکن وہ خود جانتا تھا کہ بہت دیر ہو چکی ہے۔ اگر وہ کار کے اسٹارٹ ہوتے ہی بھاگنا شروع کر دیتا تو شاید وہ اس کے پاس پہنچ سکتا تھا۔ اچھل کر کار پر سوار ہونے کی کوشش کر سکتا تھا۔ کم از کم کار کا نمبر نوٹ کر سکتا تھا۔ مگر اب کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ دوڑتے دوڑتے رک گیا۔

اپنے دوستوں کے پاس واپس پہنچ کر اس نے شرمندگی سے کہا۔ "یہ سب میری وجہ سے ہوا ہے۔ پہلے میں بھاگتے بھاگتے گر گیا۔ پھر میں نے وقت پر اس کار کا تعاقب شروع نہیں کیا۔"

"کیا بے وقوفی کی باتیں کر رہے ہو ___" سرفراز نے کہا ___ "تمہاری وجہ سے کچھ نہیں ہوا۔"

شہزاد بولا ___ "سرفراز ٹھیک کہہ رہا ہے تم نے وہ مشہور مصرع نہیں سنا۔ وہی ہوتا ہے جو منظورِ خدا ہوتا ہے ___"

ضیاء نے کہا ___ "مگر یار شہریار گیا کہاں۔؟ کوئی اسے یقیناً کار میں ڈال کر لے گیا ہے۔"

ایک عجیب بات ہے ___" سرفراز نے کہا ___ "نہ جانے کیوں مجھے خطرے کا احساس نہیں

ہو رہا ہے۔"

"لاحول ولاقوۃ"۔ ضیاء بولا۔ "یعنی اتنی بڑی واردات ہو گئی ہے۔ شہریار کی چیخ کے بعد اسے اغوا کر لیا گیا ہے اور بھائی سرفراز فرما رہے ہیں کہ انہیں خطرے کا احساس نہیں ہو رہا ہے۔"

شہزاد نے کہا ___ "مذاق چھوڑو یار۔ یہ سوچو کہ کرنا کیا ہے ؟"

سرفراز مسکرایا اور بولا ___ "یہ میں پہلے ہی سوچ چکا ہوں ___"

ضیاء اور شہزاد حیرت سے اس کی طرف دیکھتے رہ گئے۔

دروازہ دھیرے دھیرے کھل گیا۔

شہریار نے ایک لمبے چوڑے شخص کو اندر آتے دیکھا۔ اس کے چہرے پر سیاہ نقاب تھا۔

"کیا حال ہیں نوجوان ___ ؟" نقاب پوش نے پوچھا۔

"حال ___ ؟" شہریار نے محتاط لہجے میں کہا ___ "حال تو ٹھیک ہیں۔ لیکن ..... میں کہاں ہوں اور تم مجھے یہاں کیوں لائے ہو ..... ؟"

نقاب پوش دھیرے سے ہنسا ___ "تم شہریار ہی ہو نا ___ ؟" "حق اسکواڈ" کے سربراہ۔"

شہریار نے کہا ___ "ہاں میں شہریار ہوں۔ مگر "حق اسکواڈ" کا کوئی سربراہ نہیں ہے۔ ہم چار لڑکے اس کے رکن ہیں اور ....."

نقاب پوش نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ "..... اور ان کے نام ضیاء، شہزاد اور سرفراز ہیں سرفراز باڈی بلڈنگ کرتا ہے، ضیاء بہت تیز بھاگتا ہے، شہزاد بجلی کے آلات وغیرہ میں بڑی مہارت رکھتا ہے ___ اور تم خود مسٹر شہریار، کراٹے جانتے ہو۔ تم ایک ہی کلاس میں پڑھتے ہو، ایک ساتھ اٹھتے بیٹھتے ہو۔ ایک غار میں تم نے اپنا ہیڈ کوارٹر بنا رکھا ہے۔ اب تک تم کئی کارنامے سرانجام دے چکے ہو اور تمہارے حق اسکواڈ کی شہرت اب محلے اور اسکول سے آگے پھیلتی جا رہی ہے۔ کیوں صحیح ہے نا میری معلومات ___ ؟"

شہریار نے حیرت سے سر ہلایا اور دھیرے سے بولا ___ "تم کون ہو ___ ؟"

نقاب پوش نے کہا ___ "جو تمہارے بارے میں اتنی معلومات رکھتا ہو۔ جو تمہاری نگرانی کرتا رہا ہو۔ اور جو تمہیں اغوا کر کے لایا ہو، وہ کیا تمہارا دوست ہو سکتا ہے" ___ ؟

شہریار نے کہا ___ "نہیں ___ وہ صرف دشمن ہو سکتا ہے۔"

نقاب پوش ہنسا ــــ "ویری گڈ۔ تم ذہین لڑکے ہو۔ ہاں ایک طرح سے میں تمہارا دشمن ہی ہوں۔ تم نے جن لوگوں کو آج تک نقصان پہنچایا ہے، ان سب نے مل کر مجھے یہ کام سونپا ہے۔ میں ان کی ہدایت کے مطابق ہی تمہیں اغوا کر کے لایا ہوں۔"

شہریار کے چہرے پر پہلی بار گھبراہٹ کے آثار نمودار ہوئے۔ اس نے پوچھا۔ "مگر..... مگر کیوں ــــ؟ کیوں لائے ہو تم مجھے اغوا کر کے ــــ؟"

نقاب پوش نے کہا ــــ "میں لمبی چوڑی بات کرنے کا عادی نہیں ہوں۔ سیدھی سی بات ہے، میں چاہتا ہوں کہ تم سیدھے ہو جاؤ۔ تم بھی اور تمہارے تینوں دوست بھی۔ یہ حق اسکواڈ کا چکر ختم کرو ــــ"

شہریار نے کہا ــــ "مگر ہم کوئی غلط کام نہیں کرتے۔ ہمارا اصول ہے کہ ہم برائی کو ختم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔"

نقاب پوش نے غصے سے کہا ــــ "یہی اصول غلط ہے۔ تم کون ہو برائی کو ختم کرنے والے اپنے کام سے کام رکھو۔ دوسروں کے معاملات میں ٹانگ مت اڑاؤ۔ اس کے عوض تمہیں بہت فائدہ ہو سکتا ہے ــــ؟"

"اچھا ــــ!" شہریار نے کہا ــــ "کیا فائدہ ہو سکتا ہے ــــ؟"

نقاب پوش نے کہا ــــ "تمہیں اتنے روپے دیئے جا سکتے ہیں کہ تمہارے تصور میں بھی نہ ہوں تم حق اسکواڈ ختم کر دو ہم تمہیں مالا مال کر دیں گے۔ تمہیں زندگی کی ہر سہولت فراہم کر دی جائے گی۔ ہم تم چاروں کو عیش کرا دیں گے۔"

شہریار نے کہا ــــ "یہ جو تم بار بار "ہم" کہہ رہے ہو، یہ کون لوگ ہیں؟"

نقاب پوش نے سر ہلا کر کہا ــــ "بہت چالاک ہو تم۔ میں تمہیں کسی کا نام نہیں بتا سکتا۔ سیدھی صاف بات یہ ہے کہ تم حق اسکواڈ ــــ ختم کر دو تو اس کے عوض تمہیں منہ مانگے انعامات مل سکتے ہیں۔"

شہریار بولا ــــ "اب میرا سیدھا صاف جواب بھی سن لو مسٹر نقاب پوش!۔ ہم نے حق اسکواڈ برائی کے خاتمے کے لیئے بنایا ہے۔ انعامات یا دولت حاصل کرنے کے لئے نہیں۔ تم حق اسکواڈ کو خریدنا چاہتے ہو۔ اگر تمہارے چہرے پر یہ نقاب نہیں ہوتا تو میں تمہارے چہرے پر تھوک دیتا۔ لیکن نقاب پر تھوکنے سے مزہ نہیں آئے گا ــــ سمجھ گئے ــــ؟"

نقاب پوش نے کہا ــــ "تم نے ہماری ہماری پیشکش ٹھکرا کر اچھا نہیں کیا ــــ"

شہریار مسکرایا۔

لیکن اگلے ہی لمحے اس کی مسکراہٹ غائب ہو گئی۔

کیوں کہ نقاب پوش نے ایک سیاہ پستول نکال لیا تھا۔ اس نے کہا ــــ "تم نے ہماری بات نہیں مانی۔ اب مرنے کے لیئے تیار ہو جاؤ ــــ"

شہریار کا حلق خشک ہو گیا۔ موت اس کے سامنے کھڑی تھی۔ مگر اس نے ہمت کر کے کہا "پستول کے بل پر حق اسکواڈ کو ختم نہیں کیا جا سکتا۔ میں برائی کو ختم کرنے کے اصول سے پیچھے نہیں ہٹ سکتا ــــ"

"ٹھیک ہے ــــ" نقاب پوش نے پستول کی نال اس کی طرف کر دی۔!!

رات کے تین بجے ضیاء، شہزاد اور سرفراز علاقے کے تھانے جا پہنچے۔ وہ تھانے کے اندر داخل ہو ہی رہے تھے کہ ضیاء نے چونک کر دائیں طرف دیکھا۔

"کیا بات ہے؟" سرفراز نے پوچھا۔

"وہ دیکھو" ضیاء نے اشارہ کر کے کہا "یہ بالکل وہی کار لگتی ہے جس میں شہریار کو اغوا کیا گیا تھا"

شہزاد بولا "ہاں۔ ہے تو اُسی قسم کی کار۔ مگر وہ کار تھانے میں کیسے آ سکتی ہے...؟"

"یہ بات تو ہے..." ضیاء نے کہا۔

وہ تینوں تھانے کے اندر جا پہنچے۔ ڈیوٹی پہ موجود پولیس والا اونگھ رہا تھا۔ اُنہیں دیکھ کر وہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

"کیا بات ہے...؟" اُس نے پوچھا۔

"ہم ایک اغوا کی رپورٹ درج کرانے آئے ہیں..." سرفراز نے کہا۔

پولیس والا اُچھل پڑا... "اغوا... کیسا اغوا...؟ کس کا اغوا...؟"

سرفراز نے کہا... "ہمارے دوست شہریار کو اغوا کر لیا گیا ہے۔ کوئی ایک ڈیڑھ گھنٹے پہلے... نامعلوم لوگ اُسے ایک کار میں ڈال کر لے گئے ہیں۔ ایسی ہی ایک کار تھانے میں کھڑی ہے..."

اس دفعہ پولیس والا اُچھلا تو اس کی ٹوپی گر گئی۔ ٹوپی اُٹھا کر وہ بوکھلا کر بولا "ابے لڑکو! کیوں مجھے پاگل کرنے پر تُلے ہوئے ہو۔ چلو۔ دکھاؤ مجھے وہ کار..." وہ پولیس والے کے پیچھے پیچھے باہر نکل آئے۔

پستول کی نال کا رُخ اُس کی طرف ہی تھا۔ نقاب پوش کی اُنگلی ٹریگر پر جمی ہوئی تھی۔ پھر اچانک نقاب پوش نے قہقہہ لگایا اور ایک جھٹکے سے اپنا نقاب اُتار پھینکا! شہریار کا منہ حیرت سے کھلا کا کھلا رہ گیا۔ اس کے سامنے علاقے کا نوجوان تھانیدار، انسپکٹر سکندر کھڑا تھا۔ شہریار نے حیرت سے کہا۔

"انسپکٹر صاحب آ۔ آپ...!" "تم ہمارے امتحان میں پورے اُترے ہو شہریار" انسپکٹر سکندر نے کہا۔ میں تمہیں مبارک باد دیتا ہوں۔

شہریار نے کہا "میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا۔ آپ... اغوا... یہ سب کیا ہے"؟!

"میں تمہیں سب سمجھا دیتا ہوں" انسپکٹر سکندر نے کہا "آؤ باہر چلیں۔ میرا خیال ہے کہ اب تک تمہارے ساتھی تھانے پہنچ چکے ہوں گے۔ حیران مت ہو۔ تم تھانے کے ایک کمرے میں ہی بند تھے"

وہ دونوں باہر نکلے۔ ایک طویل راہ داری اور کئی کمروں کے سامنے سے گزر کر وہ انسپکٹر صاحب کے کمرے میں جا پہنچے۔ انسپکٹر سکندر نے اپنی کرسی پر بیٹھ کر گھنٹی بجائی۔ کچھ دیر بعد ایک سپاہی نے اندر گھس کر سیلوٹ کیا۔ "جی سر..."

"تین لڑکے آئے ہیں؟" انسپکٹر سکندر نے پوچھا۔

"جی... جی ہاں سر..." سپاہی نے حیرت سے کہا "آپ کو کیسے پتا چلا...؟" انسپکٹر سکندر نے کہا۔

"تینوں کو میرے پاس بھیجو..."

کچھ دیر بعد ضیاء، شہزاد اور سرفراز کمرے میں داخل ہوئے تو شہریار کو انسپکٹر سکندر کے سامنے بیٹھا دیکھ کر اُن کے منہ حیرت سے کھلے کے کھلے رہ گئے۔

"خدایا..." سرفراز نے چھت کی طرف دیکھ کر کہا "کیا میں جاگتے میں خواب بھی دیکھنے لگا ہوں"

"بیٹھو لڑکو" انسپکٹر سکندر نے کہا "میں تمہیں شروع سے آخر تک پوری بات بتانا چاہتا ہوں"... وہ چاروں انسپکٹر سکندر کے سامنے بیٹھ گئے۔ چاروں کے چہروں پر حیرت تھی۔ اور آنکھوں میں بہت سے سوالات تھے۔ یہ ساری صورتحال ان کی سمجھ سے باہر تھی۔

انسپکٹر سکندر نے کہا "پہلی بات تو یہ ہے کہ تمہارے ہیڈ کوارٹر کی نگرانی میں کردار ہا تھا۔ اس ٹوٹی ہوئی دیوار کے پیچھے اکثر میرا کوئی نہ کوئی آدمی چھپا رہتا تھا۔ میں تمہارے معمولات کی نگرانی کر رہا تھا۔ میں جاننا چاہتا تھا کہ تم لوگ وہاں کیا کرتے رہتے ہو۔ لیکن تم چاروں ذہین ہو۔ بہت جلد تم لوگوں کو شبہ ہو گیا" شہریار نے کہا... "میں یہی شبہ دُور کرنے رات کو آیا تھا"

انسپکٹر سکندر نے کہا ۔ ہاں اُس وقت میرا ایک ماتحت وہاں موجود تھا ۔ اُس نے تمہیں اُدھر آتے دیکھ لیا تھا ۔ جب اُس کو یقین ہو گیا کہ اب راز فاش ہونے والا ہے اور تم وہاں پہنچنے ہی والے ہو تو اُس نے وہ خاص نقاب پہن کر تمہیں ڈرانے کی کوشش کی ۔ وہی بڑے بڑے دانتوں والا نقاب ۔ جھرّیوں بھرے چہرے والا ۔ لیکن جب تم نے اُس پر حملہ کرنے کی، کراٹے کا کوئی داؤ استعمال کرنے کی کوشش کی تو اُسے مجبوراً تم پر قابو پانا پڑا ۔ مجھے افسوس ہے کہ تمہیں بے ہوش کرنا پڑا ۔ وہ تمہیں گاڑی میں ڈال کر سیدھا میرے پاس لے آیا ۔ یہاں میں نے یہ نقاب پہن کر تمہیں اس امتحان میں ڈالنے کی کوشش کی ۔ مجھے خوشی ہے کہ تم کسی لالچ میں نہیں آئے ۔ تم نے حق اسکواڈ کو ختم کرنے سے صاف انکار کر دیا ۔"

سرفراز نے کہا ۔" مگر یہ سب ... یہ سب کیوں کیا گیا ... ؟"

انسپکٹر سکندر نے کہا ..." ہاں ۔ اب میں یہی بات بتانے والا ہوں ۔ بات یہ ہے کہ ہمیں تمہاری مدد کی ضرورت ہے ... !! وہ چاروں حیرت سے اُچھل پڑے ۔

انسپکٹر سکندر نے کہا ۔" حیرانی کی کوئی بات نہیں ۔ پولیس کے محکمے کو ذہین لوگوں کی تو ہمیشہ ضرورت رہتی ہے ۔ لیکن ہمیں تم لوگوں کی خاص طور پر ضرورت تھی ۔ قدم قدم پر ایسے واقعات ہمارے سامنے آتے ہیں جن میں ہم خود تحقیقات نہیں کر سکتے ۔ لوگ پولیس کی وردی دیکھ کر ڈر جاتے ہیں ۔ بات ٹال دیتے ہیں ۔ جھوٹ بول دیتے ہیں ۔ جان بچانے کی کوشش کرتے ہیں ۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ہمیں کئی وارداتوں کا ثبوت نہیں مل سکتا ۔ کئی بار مجرم ہماری نظروں کے سامنے سے بچ کر نکل جاتے ہیں ۔ اگر "حق اسکواڈ" ہماری مدد کرے تو ہم جرائم کی تعداد کم کر سکتے ہیں ۔ ہم چاہتے ہیں کہ "حق اسکواڈ" تحقیقات میں ہماری مدد کرے ۔ کیا تم لوگ اس کے لیے تیار ہو ؟" ان چاروں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور مُسکرائے ۔

شہریار نے کہا ۔" ہم تو بُرائی کے خاتمے کی ہر کوشش میں ساتھ دینے کے لیے تیار ہیں ۔ اگر آپ کو ہماری ضرورت ہے تو ہم حاضر ہیں ۔ "حق اسکواڈ" حاضر ہے ۔"

انسپکٹر سکندر مُسکرایا اور اُٹھ کھڑا ہوا ۔" مجھے تم سے یہی اُمید تھی ۔ آج سے "حق اسکواڈ" ایک نئے مرحلے میں داخل ہو رہا ہے ۔ اب یہ بچّوں کا کھیل نہیں ہے ۔ بُرائی کے خلاف ایک باقاعدہ تحریک ہے ۔"

وہ چاروں بھی مُسکرائے اور اُٹھ کھڑے ہوئے ۔ پھر ایک عجیب بات ہوئی ۔ کم از کم انسپکٹر سکندر کے لیے تو یہ عجیب ہی تھی ۔ سرفراز نے اچانک پوری قوّت سے چلّا کر کہا ۔" حق اسکواڈ "

" زندہ باد ... " اُن کے نعروں کی آواز سے پوری عمارت لرز اُٹھی ۔ انسپکٹر سکندر مُسکرایا اور ان چاروں کو لے کر باہر نکل آیا ۔

بات

حمید قمر

بات سچّی ہو بات اچھّی ہو!
بات ایسی نہ ہو کہ کچّی ہو!

بات اَمرت کی طرح میٹھی ہو
بات جب بھی ہو دوستی کی ہو

بات کو با اثر بنایا کیجیے۔
بات سے دِل میں گھر بنایا کیجیے

بات سے دُشمنی بھی ہوتی ہے۔
بات سے برہمی بھی ہوتی ہے

بات سے زخم بھی تو لگتے ہیں
بات سے زخم بھی تو بھرتے ہیں

بات ایسی کہ زخم بھر جائیں
بات سے پھُول بَن مہک جائیں

بات ہوتی ہے باغ پھُولوں کا
بات ہوتی ہے داغ سینوں کا

بات کیجیے گا اس طرح ہر دَم
بات بَن جائے زخم کا مَرہم

بات بچّو ہے سیج پھُولوں کی
بات ہے پیڑ بھی ببُولوں کی

بات گر کی قمر بتاتا ہے
دُھوپ کو چاندنی بناتا ہے

پاکستان بھر میں آنکھ مچولی کے نیوز ایجنٹ

علم وادب کے فروغ میں جو ادارے "آنکھ مچولی" سے تعاون کر رہے ہیں، ان کی تعداد بے شمار ہے۔ اس صفحے پر ہم صرف اُن بڑے ایجنٹس کی فہرست دے رہے ہیں، جن کی کوششوں سے ماہنامہ آنکھ مچولی پاکستان کے دُور دراز علاقوں تک بڑی تعداد میں پہنچتا ہے۔

محمد حسین برادرز۔ کراچی	فون:۔ ۷۲۳۹۵۵
سلطان نیوز ایجنسی۔ لاہور	فون:۔ ۵۸۲۴۹
ملک تاج محمد صاحب۔ راولپنڈی	فون:۔ ۵۵۴۳۲۱ / ۸۴۷۹۸۶
مہران نیوز ایجنسی۔ حیدر آباد	فون:۔ ۲-۱۲۸
افضل نیوز ایجنسی۔ چوک یادگار۔ پشاور	فون:۔ ۶۲۵۱۵ / ۶۲۷۵۱
اے ایس حامد نیوز پیپر سروس۔ ملتان	فون:۔ ۴۳۳۱۰ / ۴۱۷۵۷
فیاض بک ڈپو۔ فیصل آباد	فون:۔ ۲۷۴۰۶
ایم ایم ٹریڈرز۔ کوئٹہ	فون:۔ ۷۵۰۰۲
ملک اینڈ سنز۔ سیالکوٹ	فون:۔ ۸۷۹۸۹

سعید بک اسٹال۔ گجرات	فون:۔ ۰۴۳۳۱
پاکستان اسٹینڈرڈ بک اسٹال۔ سرگودھا	فون:۔ ۶۲۹۵۱
کیپٹل نیوز ایجنسی۔ بہاولپور	فون:۔ ۲۹۵۷
طاہر نیوز ایجنسی۔ جہلم	فون:۔ ۰۵۹۴۱
چوہدری امانت علی اینڈ سنز۔ رحیم یار خان	فون:۔ ۲۶۲۶
وہاڑی نیوز ایجنسی۔ ریل بازار۔ وہاڑی	
اسلم نیوز ایجنسی۔ اخبار گھر۔ گوجرانوالہ	
اشرف نیوز ایجنسی۔ بالمقابل جی ٹی ایس بس اسٹینڈ۔ اوکاڑہ	
نیا مکتبہ اردو۔ جی ٹی روڈ۔ سرائے عالمگیر	

سلمان برادرز۔ نوابشاہ	فون:۔ ۲۴۱۴

رسالہ نہ پہنچنے کی صورت میں یا بروقت نہ ملنے پر مندرجہ ذیل پتے پر خط لکھیے!

سرکولیشن مینیجر۔ ماہنامہ "آنکھ مچولی" ڈی۔ ۱۱۲۔ نورس روڈ۔ سائٹ۔ کراچی ۱۶

درویش گورنر

محمد جاوید خالد

آزادی کے ایک نامور رہنما کے متاثر کن واقعات
جس کے بچّے سائیکلوں پر اسکول جاتے تھے۔

"کیا یاسر ابھی تک نہیں آیا؟" قریشی صاحب مغرب کی نماز پڑھ کر آئے تھے اور ان کے لہجے میں تشویش تھی۔

"ہاں آج نہ جانے اس نے کیوں دیر کردی؟" بیگم قریشی بھی فکر مند تھیں۔

ماں باپ کو یوں تو سارے ہی بچّے پیارے ہوتے ہیں، مگر بعض بچّے اپنی نیک عادات و اطوار کی وجہ سے توجّہ کے زیادہ مستحق بن جاتے ہیں۔ یاسر بھی ایسا ہی لڑکا تھا۔ ہنس مکھ، خوش اخلاق، محنتی، اور ماں باپ کا فرمانبردار۔ پھر یہ کہ وہ بہن بھائیوں میں سب سے بڑا بھی تھا۔ ان سب باتوں کی وجہ سے وہ ماں باپ کا بہت چہیتا تھا اور اُسے گھر پہنچنے میں جہاں ذرا دیر ہوئی دونوں ہی پریشان ہوجاتے تھے۔ یہ اس کا بچپن سے معمول چلا آرہا تھا کہ مغرب کی نماز کے بعد وہ کہیں نہیں جاتا تھا۔ اس سال سخت محنت کرکے اُس نے مقابلے کا امتحان دیا تھا جس میں وہ اعلیٰ نمبروں سے کامیاب ہوا اور چند ہی روز پہلے اُسے حکومت

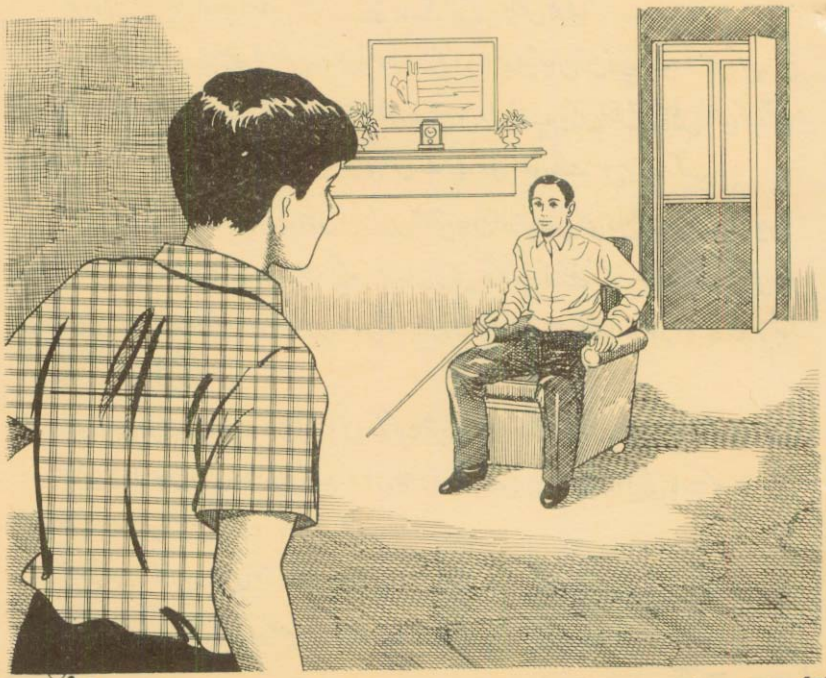

کے اہم عہدے پر فائز کیا گیا تھا۔ نئی ذمّے داریوں کے باوجود وہ مغرب سے پہلے ہی گھر آجاتا۔ یہی وجہ تھی کہ آج قریشی صاحب اوران کی بیگم فکرمند ہو رہے تھے۔

"میں اُسے دفتر فون کرتا ہوں"۔ قریشی صاحب نے اُٹھتے ہوئے کہا مگر وہ ابھی دروازے پر ہی تھے کہ یاسر کی گاڑی آکر رُکی۔ قریشی صاحب نے اطمینان کا سانس لیا۔ یاسر اُترا اُس نے باپ کو سلام کیا اور اُن کے کچھ کہنے سے پہلے ہی بول پڑا۔

"باباجان آج دیر ہوگئی۔ دراصل رہائش کے مسئلے نے اُلجھالیا۔ مجھے سرکاری رہائش گاہ مل رہی ہے۔ ہم کل ہی منتقل ہوجائیں گے وہاں ٹیلی فون بھی ہے۔ اس طرح مجھے کبھی دیر سویر ہوگئی تو آپ کو بروقت اطلاع مل جایا کرے گی"۔

"تم ساری باتیں باہر ہی کھڑے کھڑے کرلوگے کیا؟" بیگم قریشی بولیں جو قریشی صاحب کے پیچھے آکھڑی ہوئیں تھیں۔

"اوہ امّی جان اسلام علیکم" یاسر نے جلدی سے کہا "آج تو آپ کو دونوں باہر مل گئے" وہ مُسکرایا۔

"کون دونوں" بیگم قریشی نے حیرانی سے پوچھا۔

"ہم دونوں یعنی میں اور میرا اسلام"۔ یاسر ہنستے ہوئے گھر میں داخل ہوگیا۔

وہ سب کھانا کھانے بیٹھے تو ننھی نے فوراً سوال داغ دیا "بھائی جان آج آپ کے دفتر میں کیا نئی بات ہوئی" شروع میں یاسر نے ایک دو دن دفتر سے متعلق دل چسپ باتیں سُنائیں تو باتیں ننھی کو اتنی اچھی لگیں کہ اب وہ ہرروز یہی سوال کرتی اور یاسر بھی اس کے لیے کوئی نہ کوئی بات سوچ کے رکھتا۔

"ہاں ننھی آج تو زبردست بات ہوئی۔ اس میں تو امّی جان اور ابّاجان بھی دل چسپی لیں گے مگر ہمیں پہلے کھانا خاموشی سے کھالینا چاہیے۔ ورنہ ایک نقصان یہ بھی ہوگا کہ تم تو سُننے کے ساتھ ساتھ کھاتی بھی رہو گی، جبکہ میں کہنے کے ساتھ ساتھ کھا نہیں سکوں گا" اُس نے مُسکراتے ہوئے کہا اور جوں ہی کھانا ختم ہُوا۔ ننھی نے پھر یاد دہانی کرادی۔

"ہاں تو آج دل چسپ بات یہ ہوئی" اُس نے کہنا شروع کیا "کہ آج ہمارے ہاں ایک آدمی آیا"۔

"تو کیا بھائی جان! اس سے پہلے آپ کے ہاں جانور آتے رہے ہیں" ننھی نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا تو سب بے اختیار ہنس پڑے۔ یاسر بھی خوب ہنسا۔

"نہیں ننھی" اُس نے کہا "آتے تو پہلے بھی آدمی ہی رہے ہیں۔ مگر یہ آدمی جس کا میں ذکر کررہا ہوں بہت منفرد اور عجیب تھا۔ اس کی شخصیت بہت پیاری اور اُس کی گفتگو بہت اچھی تھی۔ وہ بھی سرکاری

افسر تھا اور سرکاری کام ہی سے میرے پاس آیا تھا۔ میں اس سے بہت متاثر ہوا اور جب کام ختم ہونے کے بعد میں نے اُسے کچھ دیر بیٹھنے اور چائے پینے کی دعوت دی تو اُس نے خوش دلی سے دعوت منظور کرلی۔ مگر کہا کہ دفتر کا وقت ختم ہونے کے بعد۔ میں نے حیرت کا اظہار کیا تو اُس نے کہا کہ یہ وقت جو ابھی ہم گپ شپ میں گزاریں گے حکومت کی اور لوگوں کی امانت ہے اور یہ بددیانتی ہوگی۔"

"پھر بعد میں تمہاری اُس سے ملاقات ہوئی" بیگم قریشی نے دلچسپی سے پوچھا۔

"ہاں امی جان وہ آیا اور بڑی عجیب وغریب باتیں کرتا رہا۔ اصولوں کا سخت پابند ہر بات میں دیانت اور بددیانتی کے حوالے دیتا رہا۔ کہنے لگا۔ آپ کو پتا ہے کہ مسلمانوں کے ایک خلیفہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو سرکاری کام کے دوران جب ذاتی گفتگو کرنا پڑی تو انھوں نے یہ کہہ کر چراغ گُل کردیا تھا کہ اس میں تیل بیت المال کا ہے جو مسلمانوں کی امانت ہے اور ذاتی گفتگو میں اس کا جلتے رہنا امانت میں خیانت ہوگی۔"

"تو بیٹے یہ باتیں تو ٹھیک ہی ہیں عجیب وغریب کیسے ہوئیں؟" قریشی صاحب نے سوال کیا۔

"باتیں تو ٹھیک ہیں ابا جان! مگر حالات بھی تو کس قدر بدل گئے ہیں عام لوگوں میں یہی تاثر پایا جاتا ہے۔ کہ چودہ پندرہ سو سال پہلے کی مثالوں کو آج کیوں کر اپنایا جاسکتا ہے۔"

"یہ کہنا غلط ہے" قریشی صاحب بولے۔ "ایسی باتیں وہ لوگ پھیلاتے ہیں جو مسلمانوں کو سیدھے رستے پر چلتے دیکھنا نہیں چاہتے۔ جو اپنی برائیوں اور کمزوریوں کو چھپانے کا بہانہ تلاش کرتے رہتے ہیں۔ ورنہ آدمی بلند حوصلہ ہو، باہمت ہو، پختہ عزم ہو تو کیا نہیں کرسکتا آخر وہ مثالیں بھی تو انسانوں ہی نے قائم کی تھیں اور پھر دُور کیوں جاتے ہو۔ میں تمہیں ماضی قریب کی ایک نمایاں مثال دیتا ہوں تم نے سردار عبدالرب نشترؒ کا نام ضرور سُنا اور پڑھا ہوگا۔"

"جی ہاں باباجان۔" یاسر نے کہا۔ "وہ قائدِ اعظمؒ کے قریبی رفیق تھے۔ پاکستان بنانے کی تحریک میں انہوں نے بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا تھا۔ صوبہ سرحد میں اسلام اور پاکستان دشمنوں کی سازشوں کو انہوں نے ہی ناکام بنایا۔ تھا اور صوبے کے لوگ ان کی خدمات کی وجہ سے اُنھیں "سرحد کا جناح" کہنے لگے تھے۔"

"ہاں بیٹے یہ باتیں پاکستان بننے سے پہلے کی ہیں جن کا تم نے "تحریکِ پاکستان" کی کتابوں میں مطالعہ کیا ہوگا۔ میں تمہیں پاکستان بننے کے بعد اُن کی زندگی کے کچھ واقعات بتاتا ہوں۔ جس سے تمہیں پتہ چلے گا کہ مسلمانوں میں کبھی ایسے امانت دار خدا ترس اور نیک رہنماؤں کی کمی نہیں رہی۔ سردار عبدالرب نشترؒ نے پاکستان بننے کے ایک سال بعد یعنی جولائی ۱۹۴۹ء میں پنجاب کے گورنر کی حیثیت سے حلف اُٹھایا۔ اس زمانے میں گورنر بہت زیادہ بااختیار اور صوبے کی سب سے اہم شخصیت ہوتا تھا۔ مگر سردار عبدالرب نشترؒ نے اس عہدے

پر فائز ہونے کے بعد اپنے رویّے سے کبھی کسی کو یہ محسوس نہیں ہونے دیا کہ وہ خود کو کسی سے برتر سمجھتے ہیں۔ انھوں نے اپنی ذات کو اسلامی تہذیب اور شائستگی کا بہترین نمونہ بنا کر پیش کیا۔ وہ نہایت دیانتدار، صداقت پسند اور صاف گو انسان تھے۔ غرور و تکبّر ان میں نام کو نہ تھا ہر چھوٹے بڑے سے یکساں سلوک کرتے۔ باہر نکلنے کے لئے اُن کو پولیس کے پہرے یا "ہٹو بچو" کی آوازوں یا سڑکیں خالی کرانے کی کبھی ضرورت محسوس نہ ہوئی۔ وہ شام کو لاہور کی سڑکوں پر نکل جاتے۔ چھابڑی والے پہچان کر سلام کرتے تو یہ مُسکرا کر جواب دیتے ان کے پاس کھڑے ہو جاتے۔ لوگ گھیر لیتے اور اپنی اپنی شکایتیں بیان کرتے۔ نشتر بڑے تحمّل سے ان کی باتیں سُنتے ممکن ہوتا تو وہیں احکام جاری کرتے یا ان سے کہہ دیتے۔ کل گورنمنٹ ہاؤس آجانا۔ میرے سیکریٹری کو کہہ دینا کہ کل نشتر صاحب سے مال روڈ پر ملاقات ہوئی تھی۔ جمعے کو کسی بڑی مسجد میں پہنچ جاتے اور جہاں جگہ ملتی بیٹھ جاتے۔ مسجد میں اس طرح بے تکلّف آنے اور نمازیوں سے گھُل مل کر باتیں کرنے سے اسلامی جذبہ کا وہی چودہ سو سال پہلے کا حسین منظر اُبھر کر سامنے آتا تھا۔ ان کے بچّے بھی عام بچّوں کے ساتھ عام اسکولوں اور کالجوں میں پڑھتے رہے بلکہ وہ یہ خیال بھی رکھتے تھے کہ بچّے حکومت کی گاڑی استعمال نہ کریں چنانچہ اُن کے بچّے سائیکلوں پر اسکول جایا کرتے تھے۔ ایک بار بچّوں کو اسکول لے جانے کے لیے سرکاری گاڑی استعمال ہوئی۔ نشتر صاحب کو پتا چلا تو بہت خفا ہوئے اور گاڑی کے نگران سے کہا "کیا تم چاہتے ہو کہ میرے بچّوں میں غرور اور نخوت پیدا ہو جائے اور وہ یہ سمجھنے لگیں کہ وہ عام بچّوں سے بہت اُونچے ہیں"

"اُن کی گورنری کے زمانے میں پنجاب میں صوبائی اسمبلی کے انتخابات ہوئے۔ مُسلم لیگ کے ایک رہنما نے لیاقت علی خان مرحوم سے نشتر صاحب کی شکایت کرتے ہوئے کہا کہ نشتر صاحب نے انتخابات میں ہماری مدد نہیں کی وہ تو نِرے گورنر رہے۔ اس پر سردار نشتر نے کہا "کیا تمہیں علم نہیں کہ میں نے گورنر بنتے وقت ایک حلف اُٹھایا تھا جو مجھے بددیانتی اور جانب داری کی اجازت نہیں دیتا"

مسلم لیگ کی صدارت کے زمانے میں ان کی میز پر دو ٹیلی فون رہتے تھے۔ ایک ذاتی اور دوسرا مسلم لیگ کا۔ وہ مسلم لیگ کے ٹیلی فون پر نہ ذاتی کال کرتے تھے اور نہ ذاتی کال سُنتے۔ ایک دفعہ ان کے صاحبزادے نے ذاتی کام سے مسلم لیگ کا ٹیلی فون استعمال کرنے لگے تو نشتر صاحب نے اُنہیں روک دیا۔ صاحبزادے نے کہا کہ یہ لوکل کال ہے اس پر پیسے تو نہیں لگتے۔ اس پر نشتر صاحب نے جواب دیا کہ غلط استعمال کی عادت تو پڑ جاتی ہے"

قریشی صاحب کچھ دیر سوچتے رہے پھر بولے "سردار عبدالرّب نشتر ایک عظیم آدمی تھے۔ ایک سچے مسلمان اور خدا ترس گورنر۔ کہا جاتا ہے اگر قائدِ ملّت لیاقت علی خان کی شہادت کے بعد سردار عبدالرّب نشتر

کو وزیرِ اعظم بنا دیا جاتا تو شاید آج پاکستان کی تاریخ مختلف ہوتی۔ سردار نشتر کی بڑائی یہ ہے کہ انہوں نے اپنے عمل سے ثابت کیا کہ ہم آج زندگی گزارنے کے لیے ان اعلیٰ مثالوں کو اپنا سکتے ہیں جو ہمارے بزرگوں نے ہمارے لیے چھوڑی ہیں۔"

"تو بھائی جان!" ننھی نے منہ اُونچا کرتے ہوئے کہا۔ "اب تو وہ عجیب و غریب آدمی آپ کے پکّے دوست ہو جائیں گے۔" "ظاہر ہے۔" یاسر نے سر ہلایا۔

"پھر تو آپ بھی عجیب و غریب ہو جائیں گے۔" ننھی شوخی سے مُسکرائی۔

"ظاہر ہے۔" یاسر نے بے خیالی میں پھر وہی کہا مگر گھر والوں کے بلند قہقہے سے وہ چونکا۔ "ٹھہر جا ننھی کی بچی۔" وہ چلایا مگر ننھی دوڑ کر کمرے سے نکل چکی تھی۔ یاسر تھوڑی دیر خاموش رہا پھر جیسے اپنے آپ سے کہنے لگا۔ "اگر ایماندار ہونا عجیب و غریب بات ہے پھر تو میری قوم کے ہر فرد کو عجیب و غریب فرد ہونا چاہیئے۔"

بُل سے فائٹر کو دیکھ کر بُل سے کو مشتعل ہوتے تو آپ نے بھی ٹی وی پر دیکھا ہوگا، مگر سر کے بل کھڑے ہوتے ہوئے شائد نہ دیکھا ہو، لیجیے اب دیکھ لیجیے

Goldfish
Deluxe Pencil
حقیر سی لکیر
حقیر سی لکیر سے اعلیٰ تحریر تک
ہر قدم، ہر مرحلے پر آپ کی ساتھی
گولڈ فِش ڈیلکس پنسل
SHAHSONS (PVT) LIMITED
D-88 S.I.T.E. MANGHOPIR ROAD, KARACHI-16.
PHONE: 293451
جہاں چلے، رواں چلے
BOND

قسط نمبر ۴

سلسلے وار سائنسی ناول

عکس

شاہنواز فاروقی

اس قسط میں ناول کی کئی دلچسپ اور پیچیدہ گتھیاں سلجھ رہی ہیں!

۶۲۰۰۴ کا زمانہ ۔ سرمد ایک میوزیم میں منتظم کے عہدے پر فائز ہے ۔ سرمد کے بچپن کا دوست حارث پاکستان کرکٹ ٹیم کا کھلاڑی ہے ۔ ایک دن سرمد حارث کے بلاوے پر کرکٹ میچ دیکھنے کے لیے اسٹیڈیم گیا ۔ حارث نے اس میچ میں اپنی زندگی میں پہلی مرتبہ بائیں ہاتھ سے بولنگ کر کے انگلستان کی ٹیم کو دونوں اننگز میں انتہائی کم اسکور پر آؤٹ کر دیا۔ حارث کی ناقابلِ یقین حیرت انگیز بولنگ

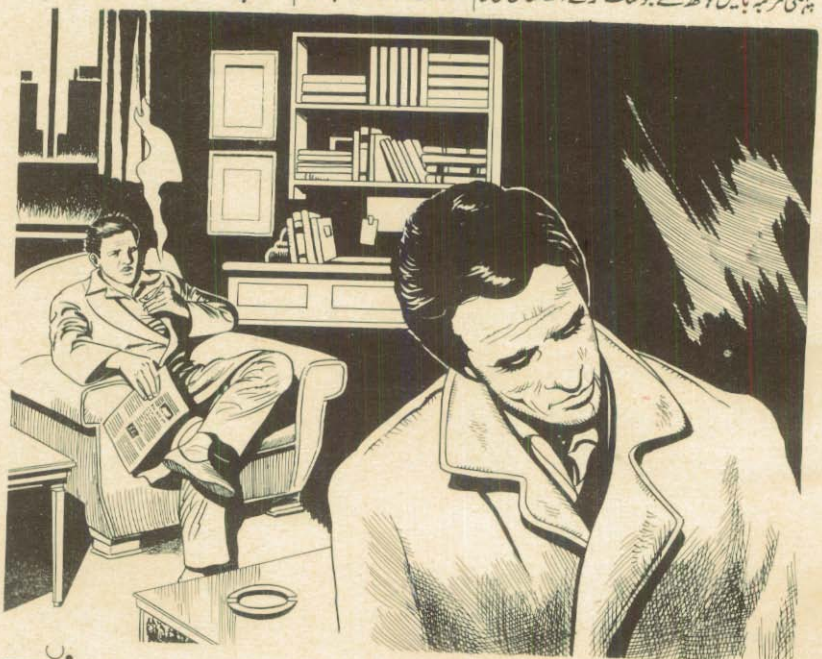

بد ہر شخص حیران رہ گیا۔ میچ کے اختتام کے بعد حارث ایک نامعلوم کار میں بیٹھ کر کہیں چلا گیا۔ ایک ہفتہ تک کسی کو پتا نہ چلا کہ حارث کہاں ہے... پھر حارث کی طرف سے ایک اخبار کو اطلاع ملی کہ وہ جب تک خود منظرِ عام نہ آجائے اُسے تلاش نہ کیا جائے۔ حارث کی اس پُراسرار گمشدگی نے پوری دنیا کو حیران کر دیا تھا۔ کچھ دنوں بعد حارث خود منظرِ عام پر آ گیا۔ ایک دن سرمد کو اپنے ایک اور بچپن کے دوست فراز کا ٹیلی فون موصول ہوا۔ فراز سرمد سے فوراً ملنا چاہتا تھا۔ فراز نے فون پر سرمد کو بتایا کہ وہ اس سے حارث کے متعلق کچھ باتیں کرنا چاہتا ہے۔ سرمد نے فراز کو رات کے کھانے پر اپنے گھر مدعو کر لیا اور پھر فراز کی آمد کا انتظار کرنے لگا۔

فراز مقررہ وقت پر سرمد کے گھر پہنچ گیا۔ سرمد کو فراز کچھ بدلا بدلا سا لگا۔ کھانا کھانے کے بعد ایک عجیب بات ہوئی فراز نے سرمد کے بیٹے بہزاد کی کتاب پر دستخط کرنے سے انکار کر دیا۔ سرمد کو فراز کے اس رویے پر حیرت ہوئی مگر اُس نے اظہار نہ کیا پھر وہ دونوں لائبریری میں آ بیٹھے۔ لائبریری میں گفتگو کے آغاز پر فراز نے سرمد کو مہاتما بدھ کی ایک مورتی دکھائی ایسی ہی ایک مورتی سرمد کے میوزیم میں بھی موجود تھی۔ سرمد کو حیرت ہوئی کہ یہ مورتی فراز کے پاس کہاں سے آئی ؟ سرمد نے مورتی کا معائنہ کیا تو وہ اصلی نکلی۔ فراز نے وہ مورتی سرمد کو تحفے میں دے دی۔ گفتگو کے دوران دو اور حیرت انگیز انکشافات ہوئے بچپن میں فراز کے بائیں ہاتھ پر جو دھبہ تھا۔ وہ اس کے دائیں ہاتھ پر آ گیا تھا اور اس کا دل بائیں کے بجائے دائیں جانب دھڑک رہا تھا۔ سرمد کو شک ہوا کہ کہیں فراز گوشت پوست کا عکس تو نہیں ! اس نے فراز کو آئینے کے سامنے کھڑا کیا تو اُس کا شک درست ثابت ہوا۔ فراز عکس میں کس طرح تبدیل ہوا خود فراز کی زبانی سُنیے۔

فراز نے سرمد کو اپنی کہانی سُناتے ہوئے بتایا کہ اُس نے پانچ سال قبل حکومت کے ایک تحقیقاتی ادارے میں تکنیکی ماہر کے طور پر ملازمت کر لی تھی۔ اس ادارے میں فراز نے آئن اسٹائن کے نظریۂ اضافیت کے تحت چیزوں کے مقام کو موڑ کر اُنہیں عکس میں تبدیل کرنے کا تجربہ کیا۔ فراز نے پہلا تجربہ اپنی ہاتھ کی گھڑی پر کیا جو عکس میں تبدیل ہو گئی۔ پھر فراز نے خود پر تجربہ کیا۔ فراز بھی ایٹمی سرچشمہ میں مخصوص عمل سے گزرنے کے بعد عکس میں تبدیل ہو گیا۔ عکس میں تبدیل ہونے کے بعد فراز سیدھے لکھے ہوئے الفاظ پڑھنے سے معذور ہو گیا۔ اُسے سب چیزیں اُلٹی نظر آ رہی تھیں اس کے بعد فراز پھر سرچشمہ میں داخل ہوا اور مخصوص عمل سے گزر کر دوبارہ اصلی حالت میں آ گیا۔ اصلی حالت میں آنے کے بعد فراز کو عکسی حالت کی کوئی بھی بات یاد نہ رہی لیکن فراز نے ویڈیو کیمرے کے ذریعے اپنی تمام حرکتوں کو محفوظ کر لیا تھا۔ فراز کی کہانی سُنتے سُنتے سرمد کو احساس ہُوا کہ کہیں مہاتما بدھ کی وہ مورتی جو فراز نے سرمد کو دی ہے نقلی تو نہیں۔ اُس نے فراز سے پوچھا۔ وہ مورتی واقعی نقلی تھی۔ سرمد فراز کو لے کر اپنے میوزیم میں رکھی ہوئی مورتی دیکھنے گیا مگر مورتی وہاں موجود نہ تھی پھر فراز سرمد کو لے کر دوبارہ اپنے گھر آ گیا۔ اس کے بعد کہانی نے کیا رُخ اختیار کیا ملاحظہ کیجیے۔

"مجھے معاف کرنا سرمد میں نے تمہارے ساتھ چال بازی کی، اگر تم کہو تو میں عکسی مورتی کو اصلی شکل میں تبدیل کر دوں، میں تم سے ملاقات کرنے سے پہلے تمہارے ساتھ کوئی شرارت کرنا چاہتا تھا۔ اسی لیے میں

مہاتما بدھ کی یہ مورتی تمہارے میوزیم سے چرا کر لے گیا۔ اور اس کو عکس میں تبدیل کر کے آج تمہیں تحفہ دینے چلا آیا۔"

فراز بولتا گیا۔

اب میں سنبھل چکا تھا اور میری سمجھ میں پچھلے دنوں کے سارے واقعات خاص طور پر کرکٹ کے میدان میں حارث کی ناقابل یقین بولنگ کا معجزہ میری سمجھ میں آچکا تھا۔

میں جان چکا تھا کہ کرکٹ کے میدان میں حارث کی حیرت انگیز پرفارمنس دراصل حارث کی نہیں اس کے عکس کی تھی، لیکن حارث فراز کے قبضے میں کیسے آیا یہ بات میں نہیں سمجھ سکا تھا۔ چنانچہ میں نے فراز کی طرف دیکھتے ہوئے اس سے مذاق کے موڈ میں پوچھا

"مسٹر جینیئس، فخرِ پاکستان بلکہ فخرِ عالم، حارث سے متعلق صورتِ حال بڑی حد تک میری سمجھ میں آچکی ہے لیکن میں اب تک یہ نہیں سمجھ سکا ہوں کہ وہ بے چارہ تمہارے چنگل میں پھنسا کیسے؟"

"ضرورت کے تحت میاں اور کیسے؟" فراز نے چٹکی بجاتے ہوئے جواب دیا۔

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔"

"ایسی باتیں دراصل عقل والوں کی سمجھ میں آتی ہیں اور تم تو بچپن سے ہی عقل سے پیدل ہو۔ بلکہ شاید پیدل بھی نہیں ہو۔" فراز مذاق پر اُتر آیا تھا۔

"جی ہاں! عقل سارے جہاں کی عقل تمہارے ہی سر میں ہے۔"

میں نے چوٹ کی۔

"دیکھو شاعری پر مت اُترو۔ ورنہ میں سائنسی فارمولوں اور اصطلاحوں پر اُتر آؤں گا۔" فراز نے دھمکی دی۔

"ذرا اُترو تو"

"یہ بات ہے۔"

"ہاں"

فراز نے اپنے ایک ہاتھ کو ہوائی جہاز کی طرح اُڑاتے ہوئے صوفے کے ہتھے پر رکھ دیا۔

"لیجیے لینڈنگ۔" فراز نے کہا۔

"کریش لینڈنگ" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"خیر اب بیکار کی باتیں چھوڑو اور سیدھے سیدھے مجھے اصل واقعات بتاؤ۔" میں نے بے چینی سے کہا۔

"ٹھیک ہے شاعر صاحب! بتائے دیتے ہیں۔"

"اصل میں ہوا یہ تھا کہ ٹیسٹ میچ سے دو روز قبل حارث میرے پاس آیا تھا۔ خاصا پریشان لگ رہا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ اپنے آخری میچ میں کوئی ایسا کارنامہ دکھائے کہ کرکٹ کی تاریخ میں اُس کا نام ہمیشہ کے لیے روشن ہوجائے۔ اس سے باتیں کرتے ہوئے میرے ذہن میں خیال آیا کہ کیوں نہ حارث کو عکس میں تبدیل کردیا جائے لیکن میں نے اپنے اس خیال کو حارث پر ظاہر نہیں کیا میں نے اُسے چائے میں نیند کی گولیاں کھلادیں اور جب وہ گہری نیند سو گیا تو میں اُسے اپنی کار میں ڈال کر اپنی لیبارٹری لے گیا اور اُسے عکس میں تبدیل کرکے اُس کے گھر چھوڑ آیا۔"

"دوسرے دن حارث کا فون آیا وہ تقریباً پاگلوں کی طرح چیخ رہا تھا۔ اُس نے مجھے بتایا کہ اُس کا دایاں ہاتھ کام کرنے کی صلاحیت کھو چکا ہے اور پڑھتے وقت اُسے سارے الفاظ اُلٹے نظر آرہے ہیں۔ اُس نے مجھے الزام دیتے ہوئے کہا کہ تم نے مجھے کوئی عجیب سی دوائی پلادی ہے۔ جب میں نے حارث کی یہ حالت سُنی تو میں فوراً فون بند کرکے اُس کے گھر پہنچا اور اُسے ہر طرح سے سمجھایا۔ میں نے اُس سے کہا کہ اگر تمہارا دایاں ہاتھ کام نہیں کر رہا ہے تو اپنے بائیں ہاتھ کو استعمال کرو۔ میری اس تجویز پر حارث تقریباً جھلا گیا۔ اور کہنے لگا کہ میں نے نہ جانے اُس سے کس بُرائی کا بدلہ لیا ہے۔ میں نے اُس سے کہا کہ خدا کے لیے تم بائیں ہاتھ سے کھیل کر تو دیکھو اگر یہ ہاتھ بھی کام نہ کرے تو بے شک تم مجھے جو چاہو سزا دینا۔ میرے بہت سمجھانے پر اُس نے ہینڈ پریکٹس کی۔ ابتدا میں تو اُسے بائیں ہاتھ سے کھیلنے میں بھی دشواری ہوئی لیکن پھر آہستہ آہستہ اُس کے بائیں ہاتھ نے کام کرنا شروع کردیا۔ اور اُسے یقین ہوگیا کہ وہ بائیں ہاتھ سے بھی کھیل سکتا ہے۔ اس کے بعد اُس نے ٹیسٹ میچ میں جس کارکردگی کا مظاہرہ کیا اُس سے تو تم بھی واقف ہو۔"

"مگر ٹیسٹ میچ کے اختتام پر حارث یکایک کہاں چلا گیا تھا؟" میں نے پوچھا۔

"میچ کے اختتام پر حارث کی ذہنی اور جسمانی حالت اچھی نہیں تھی۔ اس لیے میں اُسے قریب کے ایک گاؤں میں لے گیا تھا۔ وہاں اُسے میں نے ایک ہفتے تک رکھا۔ پھر ایک ہفتے کے بعد جب اُس کی حالت کچھ درست ہوئی تو میں نے اُسے عکس سے اصلی حالت میں بدل کر شہر میں لاکر چھوڑ دیا۔ پولیس اسٹیشن اور اخبار کو میں نے ہی فون کیا تھا۔"

حارث کی بولنگ کا راز کھلتے ہی کئی اور راز بھی کھل کر سامنے آگئے۔ مثلاً اپنے کھیتے پن کو چھپانے کے لیے فراز کا کانٹے چھری سے کھانا کھانا۔ بہزاد کی کتاب پر دستخط سے انکار کرنا وغیرہ۔

"فراز، تم جلدی سے اپنے تحقیقی کام کو رجسٹرڈ کروا کے، شائع کر دو۔ تم یقیناً نوبل انعام کے مستحق ہو۔"
میں نے خوشی سے تقریباً اُچھلتے ہوئے اُسے صلاح دی۔

"نوبل پرائز" فراز دھیرے سے بُڑبڑایا۔

"ہاں... ہاں نوبل پرائز!" میں نے گرمجوشی سے کہا۔

"نہیں سرمد! میرا تحقیقی کام ابھی مکمل نہیں ہُوا ہے، میں ابھی یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ عکسی شکل سے اصلی شکل میں آجانے کے بعد عکسی شکل کی تمام باتیں ذہن سے صاف کیوں ہو جاتی ہیں اور ان باتوں کو یاد رکھنے کے لیے کیا کیا جاسکتا ہے؟ میں بس اس راز کو اور جاننا چاہتا ہوں۔"

"میں آج عکسی صورت میں تم سے ملا۔ تم سے ڈھیروں باتیں کیں۔ لیکن جب میں اصلی حالت میں آجاؤں گا تو میں یہ سب باتیں بھول جاؤں گا۔ اسی لیے میں تم سے کہہ رہا ہوں کہ میری تحقیق ادھوری ہے۔ اس تحقیق کو مکمل کرنے کے لیے مجھے ایک نایاب شے کی ضرورت ہے۔ آج کل میں اسی شے کو حاصل کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔" فراز نے کہا۔

"ٹھیک ہے تم اپنی تحقیق مکمل کر کے اُسے شائع کرنا۔ لیکن چونکہ تم ایک ایسی قوت کے ساتھ لڑ رہے ہو جس کے بارے میں تم بھی خود اچھی طرح نہیں جانتے اس لیے میرا مشورہ ہے کہ تم اپنے تحقیقی کام کا ایک جامع مطالعہ لکھ کر کہیں محفوظ کر لو۔ اگر خدانخواستہ تمہیں کچھ ہو جائے تو دنیا اتنی اہم دریافت سے محروم نہ رہ جائے اور تمہیں اپنے کام کا کریڈٹ بھی نہ ملے۔"

"مجھے کریڈٹ نہیں چاہیے سرمد! اور نہ ہی مجھے نوبل انعام کی رتی برابر خواہش ہے۔ میں کچھ اور چاہتا ہوں اور اس سلسلے میں مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔ جہاں تک اپنے تحقیقی کام کو لکھ کر محفوظ کرنے کا سوال ہے، تو یہ میں کر چکا ہوں۔" فراز نے میرے مشورے کے جواب میں کہا۔

"میں تمہاری کیا مدد کر سکتا ہوں؟" میں نے ہونقوں کی طرح پوچھا۔ کیوں کہ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس سائنسی تحقیق کے سلسلے میں اُس کی کیا مدد کر سکتا ہوں۔

"تم ایک بڑے میوزیم کے منتظم ہو پھر بھی مہاتما بدھ کی مُورتی دیکھ کر دھوکا کھا گئے۔ میرے خیال میں ایسی ہی نایاب اشیاء تیار کر کے لوگوں سے خوب مال اینٹھا جاسکتا ہے۔ تمہیں تو معلوم ہے کہ اگر کوئی ڈاک ٹکٹ بھی اُلٹا چھپ جائے تو وہ نایاب ہو جاتا ہے۔"

"امریکہ اور یورپ میں ایسی چیزوں کی بڑی مانگ ہے۔ وہاں ایسی چیزیں بڑی بڑی قیمتوں پر فروخت

ہو جاتی ہیں۔ ممکن ہے یہاں بھی بعض لوگ ایسی چیزوں کی تلاش میں تمہارے پاس آئے ہوں۔ تم اگر اپنی حیثیت کو استعمال میں لاؤ۔ تو میرے بنائے ہوئے عکسوں کا بڑے پیمانے پر کاروبار کر سکتے ہو۔ اس کاروبار میں تمہارا حصہ برابر کا ہوگا۔ بولو منظور ہے؟"

فراز کا یہ مشورہ سُن کر میں حیران رہ گیا۔ مجھے بالکل توقع نہیں تھی کہ اُجیسا پڑھا لکھا تخلیقی ذہن رکھنے والا انسان اس سطح پر اُتر کر سوچ سکتا ہے۔ مجھے فراز کی باتوں سے دُکھ ہُوا۔

"فراز یہ تم کیا کہہ رہے ہو۔۔۔" میں نے خود کو سنبھالتے ہوئے کہا۔

"میں ٹھیک کہہ رہا ہوں۔ سیدھی سی بات ہے کہ میں روپیہ کمانا چاہتا ہوں۔"

"مگر فراز اگر تمہیں اس اہم دریافت پر نوبل انعام مل گیا تو پندرہ بیس لاکھ روپے تمہیں مل جائیں گے۔ پھر ساری دُنیا میں تمہارا، تمہارے ملک کا نام ہوگا۔ ممکن ہے بلکہ مجھے یقین ہے کہ اس کے بعد تمہیں کوئی اعلیٰ عہدہ بھی مل جائے گا۔ اس سے زیادہ اور تمہیں کیا چاہیئے؟"

میں نے اُسے سمجھانے کی کوشش کی۔

"ہو سکتا ہے کہ یہ تمہارے لیے یہ سب کچھ کافی بلکہ کافی سے بھی زیادہ ہو مگر میرے لیے یہ تھوڑا بلکہ بہت ہی تھوڑا ہے۔ جیسے اونٹ کے منہ میں زیرہ۔"

فراز کا لہجہ لمحہ بہ لمحہ تیز ہوتا جا رہا تھا۔

"مگر پہلے تو تم اس طرح نہیں سوچتے تھے۔ تمہیں یاد ہے نا تم اکثر گفتگو کرتے ہوئے کہا کرتے تھے کہ میں کوئی اہم چیز ایجاد کرنا چاہتا ہوں ایسی ایجاد جس سے میرے مُلک کا نام روشن ہو۔ اور اب جبکہ تم ایک انتہائی اہم چیز دریافت کر چکے ہو۔ تمہارا دماغ چل گیا ہے اور تم روپیہ کمانے کے چکر میں پڑ گئے ہو۔"

"یہ سب بچپن کی باتیں ہیں۔ احمقانہ باتیں۔" فراز نے حقارت آمیز لہجے میں کہا

"یہ باتیں بچپن کی سہی لیکن غلط تو نہیں۔ جھوٹ تو نہیں۔" میں نے اُسے یاد دلایا۔

"سرمد! یہ سب کہنا کتنا آسان ہے لیکن تمہیں کیا معلوم ہے کہ میں کن کن حالات سے گزر کر اس منزل تک پہنچا ہوں کن کن مصیبتوں نے اس راہ میں میرا استقبال کیا ہے۔ کیسے کیسے دکھوں نے میرے دل و دماغ کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔ لیکن تمہیں کیا معلوم؟ تم جانتے ہی کیا ہو۔ مسٹر سرمد!؟" فراز کا لہجہ یکایک غیر دوستانہ اور طنز آمیز ہو گیا تھا اور اُس کے چہرے پر نفرت حقارت اور غصّے کی ملی جُلی کیفیات کو صاف دیکھا جا سکتا تھا۔ فراز کا یہ بدلا ہوا روپ صاف بتا رہا تھا کہ پچھلے چند برسوں کے دوران اُسے بہتر حالات میسّر نہیں

آئے ہیں۔ مجھے اچھی طرح معلوم تھا۔ کہ فراز ایک معمولی پینٹر کی اولاد ہے۔ اُس کے والد کے فراز کے علاوہ دو اور بچے تھے۔ ایک فراز کی بڑی بہن طلعت اور دوسرا چھوٹا بھائی ندیم۔ فراز جب انٹر کے آخری سال میں تھا تو اُس کے والد مسجد کے مینار پر رنگ کرتے ہوئے نیچے گر کر ہلاک ہو گئے تھے اور اُن کی موت کے کچھ عرصہ بعد اُس کی والدہ کا بھی انتقال ہو گیا تھا۔ اس کے بعد فراز نے اپنا اور اپنے دونوں بھائی بہنوں کا بار اپنے کاندھوں پر اُٹھا لیا تھا۔ فراز نے نہ صرف یہ کہ اپنے بھائی اور بہن کی تعلیمی سلسلے کو جاری رکھا تھا بلکہ اُس نے اپنی تعلیم کو بھی خیر باد نہیں کہا تھا۔ فراز کا چونکہ حساب بہت ہی اچھا تھا۔ اس لیے حساب کے طالب علموں کو پڑھانے کے لیے اُس نے ایک ٹیوشن سینٹر کھول لیا تھا۔ جہاں مختلف کلاسوں کے تیس پینتیس طلبہ وطالبات شام میں آکر اُس سے حساب پڑھا کرتے تھے۔ ٹیوشن سینٹر سے فراز کو خاصی آمدنی ہو جاتی تھی۔ پھر اس کے بعد فراز نے بی ایس سی اور ایم ایس سی میں پوزیشن حاصل کی اور ایک تحقیقی ادارے سے منسلک ہو گیا۔ اس کے بعد فراز سے تقریباً پانچ برسوں تک میری ملاقات نہ ہو سکی تھی اس عرصے میں اُس کے ساتھ کیا کچھ ہوا مجھے معلوم نہیں تھا۔ (باقی آئندہ)

۱۰۴ صفحات پر مشتمل

راہنما

سچی قرآنی کہانیوں کا خوبصورت مجموعہ

قرآن کی یہ سچی کہانیاں بچوں کی تربیت میں نہایت اہم کردار ادا کر سکتی ہیں

اس کے حصول کے لیے ۱۰ روپے کا منی آرڈر یا ڈاک ٹکٹ ارسال کر دیجیے

تعلیم الاسلام ۴ حصے

اسلام کی بنیادی معلومات جو آپ پر سیکھنا لازم اور سکھانا کارِ ثواب ہے

تالیف: مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب

تعلیم الاسلام کے چاروں حصے مفت منگوانے کے لیے

صرف ۲ روپے کے ڈاک ٹکٹ ارسال کر دیجیے۔

ویٹ نام سے فرار

جیمز رابرٹس
ترجمہ: سید خورشید عالم

ایک سچی کہانی جس کے کردار آج بھی زندہ ہیں

جنوبی ویتنام ۱۹۶۹ء اس وقت میں چار سال کا تھا۔ جب جنگ اپنے عروج پر تھی۔ ایک دن ہمارے گھر کے قریب ایک بم پھٹا۔ امی مجھے اور دونوں چھوٹے بھائیوں کو لے کر محفوظ مقام کی طرف بھاگیں۔ امی دوڑنے کے ساتھ ساتھ چیختی بھی جا رہی تھیں۔ وادی میں ایک امریکی بی۔ ۵۲ طیارہ بمباری کر رہا تھا۔ ہر دھماکے کے ساتھ تباہی کی شدت میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ اس علاقے میں ویت کانگ گوریلے لڑ رہے تھے۔ جن کو شکست دینے کے لیے یہ بمبار طیارے تباہی کا پیغام لے کر آئے تھے۔ ہم لوگ ایک کھیت میں جا چھپے۔ میں اپنے چاروں طرف دھماکے اور لوگوں کی چیخیں سُن کر سکتے کی کیفیت میں تھا۔ ہر طرف سے دھوئیں کے کالے بادل اُٹھتے نظر آ رہے تھے۔

ہم لوک میکانگ میں رہتے تھے یہ علاقہ جنوبی ویت نام میں واقع ہے۔ میرے والدین چاول اور پھلوں کی کاشت کرتے تھے۔ دن کے وقت ہمارے علاقے پر جنوبی ویت نام کی فوجوں کا راج ہوتا تھا جبکہ رات کو ویت کانگ گوریلے اپنی کارروائیاں کر گزرتے تھے۔ ایک رات ہمارے گھر پر بھی ایک ویت کانگ گوریلے نے دستک دی اور خدا کا شکر ہے کہ چاول مانگ کر رخصت ہو گیا۔ دونوں ہی ہم لوگوں کو خوفزدہ کرتے تھے۔ ۱۹۷۵ء میں جب کمیونسٹوں نے یہاں کنٹرول حاصل کر کے اقتدار پر قبضہ کیا تو انھوں نے اٹھارہ سال کے نام نوجوانوں کو کمبوڈیا کے خلاف لڑنے کے لیے فوج میں جبری طور پر بھرتی کرنا شروع کر دیا۔

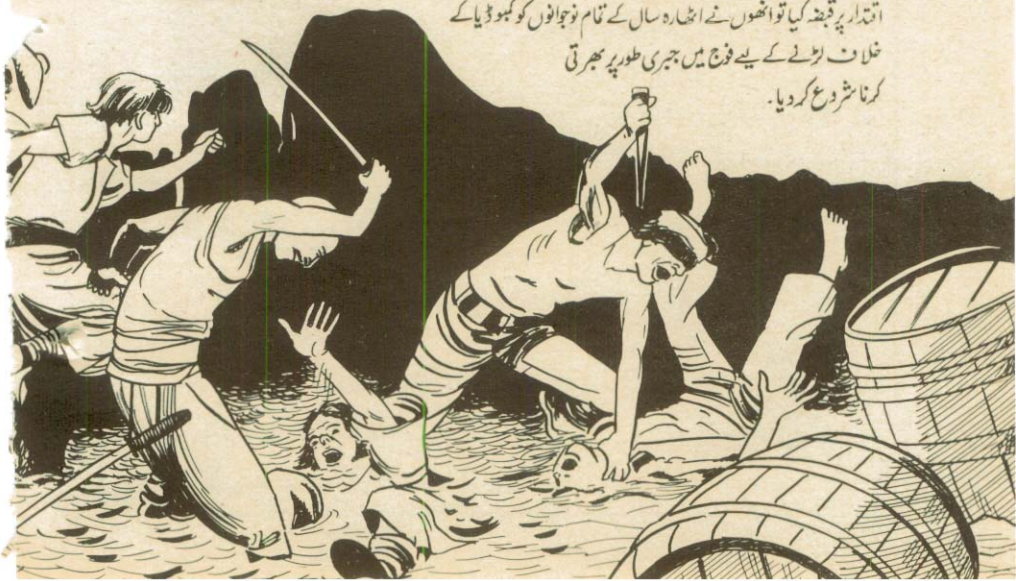

۱۹۸۱ء میں میرے بڑے بھائی منہ سترہ سال کے تھے اور میں پندرہ برس کا - ہمارے مستقبل سے مایوس ہو کر والدین نے ایک انوکھا فیصلہ کیا - اُن کا خیال تھا کہ مجھے اور بھائی منہ کو ویت نام سے فرار ہو جانا تھا -

ایک دن ہمارے ایک پڑوسی ۲۸ سالہ ہنگ ڈو میرے اسکول آئے - آتے ہی اُنھوں نے مجھ سے گھر چلنے کے لیے کہا - میں ایک دم پریشان ہو گیا - میں نے پوچھنا چاہا کہ گھر میں تو سب خیریت ہے ... مگر اُنھوں نے مجھے بولنے کا موقعہ نہ دیا - البتہ اتنا ضرور بتا دیا کہ وہ بھی ہمارے ساتھ فرار ہو کر ویت نام سے جا رہے ہیں - ہم گھر پہنچے تو دیکھا کہ ہماری امّی ایک بیگ میں کپڑے اور کھانے پینے کی اشیاء رکھ رہی ہیں - اُن کی آنکھ سے آنسو بہہ رہے تھے - ابّا نے کہا -

"تم لوگ اپنی آنٹی تھائی کے پاس آسٹریلیا چلے جاؤ - منہ نے سارا انتظام کر لیا ہے - اس کا ہر حکم ماننا - سمجھ گئے"

مجھے یہ سب کچھ بڑا عجیب و غریب لگ رہا تھا - مجھے اپنے خاندان کو ہمیشہ کے لیے چھوڑنا تھا - آنسوؤں کے سیلاب کے ساتھ میں اپنے والدین سے لپٹ گیا - اپنے والدین سے یہ میری آخری ملاقات تھی - میں اور ہنگ ایک پرانی سی موٹر سائیکل پر روانہ ہو گئے - پانچ گھنٹوں کے مسلسل سفر کے بعد ہم لوگ دریا کے کنارے پہنچ گئے - یہاں بھائی منہ نے ایک کشتی چھپا رکھی تھی - تھوڑی دیر بعد ہم کشتی میں بیٹھ چکے تھے جو لمحہ بہ لمحہ ہمیں اپنی سرزمین سے دُور لے جا رہی تھی - آگے جا کر ہمیں ایک بڑی کشتی ملی جس میں ہمیں سوار ہونا تھا - اس میں تیس بچے تیس خواتین اور پچاس مرد تھے -

پہلا دن خوش قسمتی ہمارے ساتھ تھی۔ ہماری کشتی کمیونسٹوں کی کشتیوں کی زد میں آئے بغیر چینی سمندر کی حدود میں داخل ہو چکی تھی۔ بہت سے ایسے لوگ جنہوں نے کبھی سمندری سفر اختیار نہیں کیا تھا پریشان نظر آرہے تھے۔ کچھ کی طبیعت بھی خراب ہونے لگی۔

دوسرا دن ہماری کشتی کا انجن اچانک خراب ہوگیا۔ ہمارے پاس کوئی اوزار یا دوسری مشین بھی نہیں تھی۔ کشتی کے عملے نے مرمّت کی ناکام کوشش کی اور تھک ہار کر بیٹھ گیا۔ سمندر کی بے رحم موجوں پر ہماری کشتی بہتی جارہی تھی۔

تیسرا اور چوتھا دن سخت گرمی اور تیز دُھوپ ہمارے صبر کا امتحان لینے لگی تھی۔ ہمارے پاس موجود پانی کا ذخیرہ بھی ختم ہوچکا تھا۔ تھوڑی دیر بعد ہمیں کچھ دُور ایک کینٹنر شپ جاتا ہُوا نظر آیا۔ میں بھی دوسرے لوگوں کی طرح ڈیک پر چڑھ گیا اور زور زور سے چلّانے لگا۔ جہاز نے ہمارے اشارے کے جواب میں سگنل دیا اور ہماری کشتی سے تقریبًا ۲۰۰ گز دُور آگے نکل گیا۔

پانچواں دن خوراک کا ذخیرہ بھی ختم ہوچکا تھا۔ ہم سب لوگ بھُوکے اور پیاسے اپنے نتائج کے منتظر تھے۔ ہم سب لوگ باری باری چیخ چلاتے ہوئے بے جان ہو چکے تھے۔ میں سوچنے لگا "کاش، ہماری کشتی کا انجن ٹھیک ہوتا، تو اس وقت ہم اپنی منزل پر پہنچ چکے ہوتے۔"

چھٹا اور ساتواں دن تھائی لینڈ کی ایک ماہی گیری کشتی نے بالآخر ہم لوگوں کو سمندر کی بے رحم موجوں پر ہچکولے کھاتے دیکھ لیا۔ وہ کشتی ہمارے قریب آئی اور ہم لوگ اس میں سوار ہو گئے۔ انھوں نے ہمیں کھانا کھلایا اور پانی پلایا۔ اس دن مجھے رزق کی صحیح قدر و قیمت معلوم ہوئی۔ شدید بھُوک اور پیاس کے عالم میں میں خواہش سے کچھ زیادہ ہی کھا گیا۔ کھانے کی ویسی لذت میں آج تک دوبارہ محسوس نہیں کرسکا۔ اس کشتی میں سات گھنٹے گزارنے کے بعد ہم اپنی کشتی پر واپس چلے گئے۔

آٹھواں دن بہت سے مسافر گرمی اور تیز دُھوپ کی وجہ سے جسم میں پانی کی کمی کا شکار ہو گئے۔ وہ کھڑے بھی نہیں ہو سکتے تھے۔ سب چُپ چاپ تھے اور ایک دوسرے کو خالی نگاہوں سے تکے جا رہے تھے۔

نویں ۔ ۔ ۔ بارھواں دن ماہی گیروں کے روپ میں ہمیں کئی قزاق بھی ملے۔ جنہوں نے ہمارا سامان چھین لیا اور اس کے بدلے پینے کا پانی فراہم کردیا۔ اور کچھ کھانے کو دے دیا۔ میں بیمار ہو گیا تھا۔ اور موسم کی سختی سے گھبرا کر موت کی دُعائیں مانگنے لگا تھا۔

تیرھواں دن شام کے دھندلکے میں ہمیں دُور ایک جزیرہ نظر آیا۔ "کیا ہم اس جزیرے تک پہنچ سکیں گے"؟ شاید میرے ساتھ سب نے یہی سوچا ہو۔ اچانک جزیرے کے عقب سے ایک چھوٹا سا

بحری جہاز نمودار ہوا۔ جب وہ قریب آیا تو ہم نے دیکھا کہ اس میں پانچ افراد سوار ہیں۔ اپنے حلیے کے اعتبار سے وہ مجھے بھی بحری قزاق معلوم ہوئے۔ انہوں نے قریب آتے ہی ہم سے قیمتی اشیاء طلب کیں۔ جب اُنہوں نے دیکھا کہ ہمارے پاس کچھ بھی نہیں ہے تو ایک بحری قزاق نے مشتعل ہو کر ایک مسافر کے سر پر ہتھوڑی دے ماری۔ جس سے وہ تیورا کر پانی میں گر پڑا۔ جب دوبارہ کشتی میں چڑھنے کے لیے اُس نے ہاتھ پاؤں مارنا شروع کیا تو دوسرے قزاق نے ایک بڑا سا خنجر اُسے بھونک دیا۔ پانی اس کے خون سے سُرخ ہو گیا۔ عورتیں اور بچے یہ منظر دیکھ کر رونے لگے۔ ان پانچوں بحری ڈاکوؤں نے اپنی کشتی سے ہماری کشتی باندھ دی اور مسافروں کو خاموشی سے لیٹ جانے کو کہا ہم سب ڈرے سہمے ان کے احکام کی تعمیل کرنے لگے۔ میں اور ہنگ کشتی کے پچھلے حصّے کی طرف تھے۔ اس وقت میں اپنی زندگی سے تقریباً مایوس ہو چکا تھا۔ تھوڑی دیر بعد ڈاکوؤں نے عجیب بے رحمی اور سنگدلی کا کھیل شروع کیا جسے دیکھ کر ہم لوگوں نے خوف سے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ انہوں نے ایک ایک کر کے مسافروں کو سمندر میں پھینکنا شروع کر دیا۔ پھر وہ ہمارے پاس آئے میں خوف سے دبک گیا۔ اُن کے چہروں پر عجیب درندگی تھی۔ وہ ہنگ اور میرے بڑے بھائی کو گھسیٹتے ہوئے لے گئے۔ میں چیخنا چاہتا تھا لیکن نہ چیخ سکا اور نہ رو سکا۔ انھوں نے میرے سامنے ان دونوں کو سمندر کی بے رحم موجوں کے حوالے کر دیا وہ تقریباً پچیس افراد کو پھینک چکے تو خوش قسمتی سے بھائی لینڈ کوسٹ گارڈ کا اسٹیمر وہاں آ نکلا۔ اسٹیمر کو دیکھ کر قزاقوں نے فرار ہونا چاہا۔ لیکن کوسٹ گارڈ کے مستعد عملے نے انہیں فوراً ہی اپنی حراست میں لے لیا۔ اس طرح کوسٹ گارڈ نے ہمیں آخری وقت میں موت کے منہ میں جانے سے بچا لیا۔ میں اُس وقت خوشی یا غم کی کیفیت کے احساس سے عاری تھا۔

میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اپنے بچ جانے پر خوشی کا اظہار کروں یا اپنے بھائی کی موت پر آنسو بہاؤں۔ اگلی صبح ہم بھائی لینڈ پہنچ چکے تھے۔ کشتی کے مسافروں کو ایک کیمپ میں منتقل کر دیا گیا۔ یہاں ہم لوگ چار ماہ قیام پذیر رہے۔ اس کے بعد ہمیں ایک دوسرے کیمپ میں منتقل کر دیا گیا۔ جہاں۔۔۔ ہم مزید ویت نامی موجود تھے۔ یہاں بھی ہم لوگ چار ماہ رہے۔ میں آہستہ آہستہ صحت یاب ہوتا گیا۔ مجھے بھائی منہ اور ہنگ کی موت کا شدید رنج تھا۔ مجھے یہ فکر کھائے جا رہی تھی کہ میں اپنے والدین کو اس کی اطلاع کیسے دُوں۔ یہ منحوس خبر سُن کر اُن پر کیا گزرے گی۔ اُنہوں نے تو یہ چاہا تھا کہ اُن کا بیٹا کمبوڈیا کے محاذِ جنگ پر نہ مارا جائے۔ آہ! اُن کا بیٹا محاذِ جنگ کی موت سے تو بچ نکلا مگر وہ سمندر کی بے رحم موجوں کا شکار ہو گیا۔ اب میں ہی اپنے والدین کی بڑی اولاد تھا۔

میں صرف ایک ہی شخصیت پر اعتماد کر سکتا تھا۔ اور وہ تھیں آنٹی تھائی۔ وہ دو برس پہلے میلبورن جا چکی تھیں۔

میں نے ان کو سارے حالات لکھ بھیجے۔ میں نے اُن کو خط میں یہ بھی لکھا کہ وہ ہمارے گھر میں یہ اطلاع بھیج دیں کہ میں اور بھائی منہ بالکل خیریت سے پہنچ گئے ہیں۔ چند روز بعد مجھے اپنے گھر سے ایک خط ملا جس میں ہماری "بخیر و عافیت" منزل پر پہنچنے پر خوشی کا اظہار کیا گیا تھا۔

کچھ دنوں بعد مجھے آنٹی تھائی کے پاس آسٹریلیا جانے کی اجازت مل گئی۔ جب میلبورن ایئرپورٹ پر آنٹی تھائی اور ان کے گھر والوں کو میں نے اپنا منتظر پایا تو میں ضبط کے سارے بندھن توڑ کر ان سے لپٹ گیا۔ ہم دونوں رو رہے تھے۔ میں جب ان کے گھر پہنچا تو انہوں نے مجھے ابا کا ایک خط دیا۔ لکھا تھا۔

"پیارے بیٹے ٹام"

مجھے تم لوگوں پر گزری ہوئی تمام مشکلات اور منہ کی افسوس ناک موت کا علم ہو چکا ہے۔ ہم سب قسمت کے آگے مجبور ہیں۔ اب تم ہی ہم سب کی امیدوں کا واحد مرکز ہو۔ تمہارا والد"

یہ خط کئی ماہ پہلے کا لکھا ہوا تھا۔ گویا آنٹی نے ابا کو ساری صورتحال سے پہلے ہی آگاہ کر دیا تھا۔ خط پڑھ کر ایک لمحے کے لیے میرے دل میں اپنے والدین کو دیکھنے کی شدید خواہش پیدا ہوئی۔ مگر میں نے یہ سوچ کر خود کو تسلی دی کہ مجھے یہاں رہ کر اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا چاہیئے۔ تاکہ میں ابا کی نصیحت کے مطابق ایک کامیاب انسان بن سکوں۔ کیونکہ اب میں ہی ان کی امیدوں کا واحد مرکز تھا۔ (بشکریہ ریڈرز ڈائجسٹ)

ایسے جسم کا کیا فائدہ؟

(۱) جس کی پیشانی کبھی خدا کے سامنے نہ جھکے (۲) جس کی آنکھیں خدا کے خوف سے نم نہ ہوں (۳) جس کی ایک بھی ہڈی خدا کی راہ میں نہ ٹوٹے۔ (۴) جس کا قدم خدا کی خاطر کبھی بھی نہ اُٹھے۔ (۵) جس کا ہاتھ کسی غریب کی خدا کی راہ میں مدد نہ کرے۔

(عمران حسین۔ کھڈہ۔ کراچی)

کینیڈا کے ممتاز وزیر ڈاکٹر نیوٹن وول ورتھ (۱۸۴۶ء تا ۱۹۳۲ء) جب ٹورنٹو یونیورسٹی میں زیر تعلیم تھے تو وہ ریاضی کے ایک مسئلہ میں اس قدر اُلجھ گئے کہ اسے حل کرنے میں انہوں نے ۳۶ گھنٹے ضائع کر دیے۔ مگر پھر بھی یہ مسئلہ حل نہ ہوا۔ بالآخر ان کا دماغ اس قدر بوجھل ہو گیا کہ انہیں نیند آ گئی۔ اور جب وہ بارہ گھنٹے کے بعد بیدار ہوئے تو اُن کا مسئلہ خود بخود حل ہو گیا۔ ہوا یوں کہ نیند کے دوران وہ سوال حل کرتے رہے اور انہوں نے اس ضمن میں ۵۰ صفحے بھر (لکھ) ڈالے۔ بیدار ہونے پر انہوں نے اُس مسئلے کا صحیح جواب پایا۔ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ یہ تحریر جو پچاس صفحوں پر مشتمل تھی اُن کے اپنے ہاتھ کی تھی۔

(گل شیر علی سنی۔ باڑہ گیٹ۔ پشاور صدر)

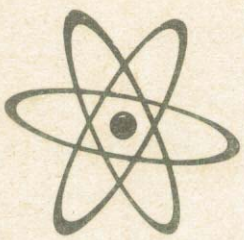

سائنس اِنکوائری

سائنسی موضوعات پر آپ کے
سوالات، ہمارے جوابات

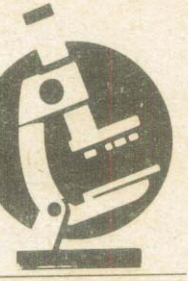

نیر ابدالی

○ ہیلی کاپٹر کا موجد کون تھا اور اسے کب بنایا گیا۔؟ سرفراز حسین زیدی۔انچولی۔کراچی۔۔۔
سلیم خان،مظفر آباد۔آزاد کشمیر۔نثار علی۔خانیوال

ہیلی کاپٹر ایک خاص قسم کا ہوائی جہاز ہوتا ہے۔ جو عام ہوائی جہاز کی نسبت اپنی جگہ سے عمودی طور پر اُٹھ جانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ جبکہ دوسرے تمام ہوائی جہاز طویل رن وے پر دوڑنے کے بعد ٹیک آف کرتے ہیں۔ ہیلی کاپٹر کے اوپر پراپیلر لگے ہوتے ہیں۔ جو دائیں بائیں گردش کرتے ہیں۔ اس قسم کا اوّلین جہاز ۱۸۷۲ء میں سامنے آیا۔ ۱۹۲۳ء میں پہلی مرتبہ راؤل ڈی پیکارا نے اپنی ایجاد کردہ ہیلی کاپٹر کی کامیاب پرواز کی۔ پیکارا کا ۱۹۳۷ء میں ایک عام ہوائی سفر کے حادثے میں انتقال ہو گیا۔

○ کائی کیا ہوتی ہے؟ جاوید اختر انصاری اورنگی ٹاؤن۔کراچی۔سید عمران مسعود۔کیماڑی کراچی۔

کائی (ALGEA) اس سبزے کو کہا جاتا ہے جو نمی یا پانی کی سطح پر پرورش پاتا ہے۔ کائی کی جڑ،تنا پتا اور پھول نہیں ہوتا۔آپ نے عموماً گیلی جگہوں، غسل خانوں کے فرش اور تالاب کی سطح پر کائی کو ضرور دیکھا ہو گا۔اس کا رنگ گہرا سبز ہوتا ہے۔ گیلے فرش پر جمی کائی انتہائی خطرناک ہوتی ہے۔ کیونکہ اس پر جہاں کسی کا پاؤں پڑا وہ اڑا.... اڑا.... دھم... امید ہے آپ سمجھ گئے ہوں گے!

○ خون کے سُرخ اور سفید جسیموں کا ہمارے جسم میں کیا اہم فرائض ہیں؟ یاسر فیروز۔ڈرگ روڈ کراچی، سلمیٰ یاسمین۔رحیم یار خان۔

خون کے سُرخ جسیمے جس میں ہیمو گلوبین ہوتا ہے یہ جسم میں آکسیجن جذب کرنے کے کام آتا ہے۔ جب کہ سفید جسیمہ انسانی جسم میں پولیس کے فرائض سرانجام دیتے ہیں۔ یہ جسم میں قوتِ مدافعت کے کام آتے ہیں۔ یعنی سفید جسیمے جسم کو ہر قسم کی بیماریوں سے محفوظ رکھنے میں نہایت اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ سفید جسیمے خون کے سرخ جسیموں کی نسبت ہوتے تو بہت ہی کم ہیں مگر اپنی کارکردگی کے اعتبار سے یہ نہایت مفید ہیں۔ ان کی کمی واقع ہونے سے جسم

مختلف بیماریوں کا شکار ہو جاتا ہے۔

• خون کا عطیہ دینے کی لازمی شرائط کیا ہیں اور خون کس طرح دیا جا سکتا ہے۔؟ عبدالعزیز۔بہاولپور رشید امجد۔لاہور۔

ایک عام صحت مند آدمی ہر تین ماہ بعد خون کا عطیہ دے سکتا ہے۔ اس سے انسانی صحت پر کوئی بُرا اثر بھی مرتب نہیں ہوتا۔ ایک پینٹ خون کا عطیہ دینے میں مشکل سے دس منٹ صرف ہوتے ہیں، جبکہ انسانی جسم اس کمی کو آدھے گھنٹے میں پورا کر لیتا ہے۔ خون کا عطیہ دینے کی شرائط مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ عطیہ دینے والا بیمار نہ ہو۔

۲۔ اس کی عمر اٹھارہ اور پینسٹھ برس کے درمیان ہو۔

۳۔ اس کا وزن سو پونڈ یا پچاس کلوگرام سے زائد ہو۔

۴۔ عطیہ دینے والا کسی خطرناک بیماری میں مبتلا نہ ہو۔ مثلاً یرقان، سرطان، امراض قلب، الرجی، ایڈز، السر، دماغی امراض۔ نیز عطیہ دینے والے نے گزشتہ چھ ماہ کے دوران کوئی آپریشن نہ کروایا ہو۔

• مجھے آپ سے معلوم کرنا ہے کہ "اٹلس راکٹ" کس ملک کا تھا اور اُسے کس سیارے کے بارے میں معلومات کے لیے کب چھوڑا گیا تھا؟ (آفتاب احمد، سکندر، امجد لطیف حیدرآباد)

سیارہ عطارد کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لیے امریکہ نے ۱۵ مئی ۱۹۶۳ء کو "اٹلس راکٹ" خلا میں بھیجا۔ اس میں گورڈن کوپر نامی خلانورد سوار تھا۔ اس راکٹ میں تین انجن لگے ہوئے تھے۔ یہ پہلا راکٹ تھا جس میں مائع ہائیڈروجن بطور ایندھن استعمال کیا گیا۔

• ریفریجریٹر کس طرح اپنا فنکشن ادا کرتا ہے جس کی بدولت ہمارے کھانے پینے کی اشیاء ٹھنڈی ہو کر گلنے سڑنے سے محفوظ رہتی ہیں؟ (قمر رضا۔لانڈھی کراچی۔ اقبال بٹ۔سلمان بٹ۔ نومان بٹ لاہور)

جس طرح ہم اپنے کپڑوں کو الماری میں رکھتے ہیں بالکل اُسی طرح کھانے پینے کی اشیاء کو گلنے سڑنے سے محفوظ رکھنے کی الماری کو ریفریجریٹر کہا جاتا ہے اس میں کئی خانے بنے ہوتے ہیں جن میں نالیاں لگی ہوتی ہیں۔ ان نالیوں کا تعلق ریفریجریٹر کے نچلے حصے سے ہوتا ہے۔ جہاں ایک برقی موٹر کے ذریعے ایک پمپ مسلسل چلتا رہتا ہے۔ یہ پمپ سلفر ڈائی آکسائیڈ کو دبا کر مائع میں تبدیل کرتا رہتا ہے۔ یہ مائع ان نالیوں سے گزرتی ہے اور اس طرح اس کی تبخیر ہوتی رہتی ہے۔ جس کے باعث ریفریجریٹر میں خنکی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور اس طرح اشیائے خوردونوش گلنے سڑنے کے عمل سے محفوظ ہو جاتی ہیں۔

• ہم یا تو سردی سے کانپتے ہیں یا خوف سے۔ خوشی، غم یا غصّے سے کیوں نہیں کانپتے؟ (محمد جہانزیب مغل۔ مسلم کالونی۔ملتان۔ اصغر علی، لاہور)

ان سب کا تعلق ہمارے جذبات سے ہوتا ہے آپ نے بہت سے لوگوں کو غصّے سے کانپتے ہوئے

ضرور دیکھا ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ ان کا دوران خون بڑھ جاتا ہے، جس کی وجہ سے غصے کے عالم میں وہ کانپنے لگتے ہیں۔ خوشی کے موقع پر بھی انسان سے اضطراری حرکتیں ہونے لگتی ہیں۔ مثلاً وہ اُچھل پڑتا ہے یا بے ساختہ مسکراہٹ اور ہنسی اس کے چہرے پر دوڑ جاتی ہے۔ بعض اوقات خوشی کے عالم میں آنسو بھی نکل آتے ہیں۔ خوف کا تعلق بھی چونکہ جذبات سے ہوتا ہے اس لیے خوف کے انتہائی لمحات میں جسم کانپنے لگتا ہے۔ خوف دراصل سزا، چوٹ، بدنامی، یا موت وغیرہ ہی کا ہوتا ہے اس لیے انسان پر کپکپاہٹ طاری ہو جاتی ہے۔

◆ آئس برگ کیا ہوتے ہیں؟ اور یہ کہاں پائے جاتے ہیں؟ محمد شاھد رسول۔ لطیف آباد۔ حیدرآباد۔ عاطف امام شامان ٹاؤن، کراچی۔ فاطمہ زہرہ۔ نصیر آباد، کراچی)

یہ برف کے بہت بڑے تودے ہوتے ہیں جو سمندروں میں بہتے ہیں۔ آئس برگ عام طور پر بحرِ منجمد شمالی اور بحرِ منجمد جنوبی پر موجود بڑے بڑے گلیشیئر سے ٹوٹ کر الگ ہوتے ہیں اور سمندر میں آنکلتے ہیں۔ یہ بسا اوقات انتہائی خطرناک بھی ثابت ہوتے ہیں۔ آئس برگ عام طور پر دس سے بارہ فٹ دبیز ہوتے ہیں اور یہ ٹھوس برف کے ہوتے ہیں۔ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے۔ اگر جہاز ان سے ٹکرا جائے تو جہاز کو سخت نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ کئی جہاز ان کی وجہ سے غرق بھی ہو چکے ہیں۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ یہ کتنے وزنی اور خطرناک ہوتے ہیں۔ اب ایسے جہاز بھی بنائے جا چکے ہیں جو سمندر میں موجود آئس برگ کو کاٹتے ہوئے دوسرے عام جہازوں کے لیے راستہ بناتے ہیں۔

◆ آواز کی تعریف کس طرح کی جاسکتی ہے؟ (عائشہ عالم۔ حنان بیریکا۔ نادیہ کراچی، کراچی۔ محمد یوسف مرزا۔ اورنگی ٹاؤن۔ کراچی۔)

آواز کی تعریف یوں کی جاسکتی ہے کہ "وہ توانائی جو اشیاء کی حرکت سے پیدا ہوتی ہے۔" آواز کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے کا کام عام طور پر ہوا کے ذریعے ہوتا ہے۔ ٹھوس اشیاء یا مائع میں ارتعاش کی بلند و پست موجیں یا لہریں جب کان کے پردوں سے ٹکراتی ہیں تو ہمیں آواز محسوس ہوتی ہے۔ آواز کا ارتعاش ۲۰ سے ۲۰۰۰۰ فی سیکنڈ تک ہوتا ہے۔

◆ لیوپارڈ فراگ سے کیا مراد ہے؟ (زریاب خان علی رضا۔ پشاور)

لیوپارڈ فراگ مینڈک کی ایک قسم کا نام ہے۔ جو عموماً میڈیکل کے طالبعلموں کو ڈائی سیکشن (آپریشن) کے لیے فراہم کیا جاتا ہے۔ اس کے جسم پر چیتے کی طرح دھبے پڑے ہوتے ہیں۔ چونکہ چیتے کو انگریزی میں لیوپارڈ کہتے ہیں، اس لیے اسے لیوپارڈ فراگ کا نام دے دیا گیا۔ یہ کینیڈا سے میکسیکو تک پایا جاتا ہے یہ عام طور پر گھاس پھوس کی زمین یا پھر دلدلی علاقے میں رہنا پسند کرتا ہے۔ اس کی لمبائی پانچ سے تیرہ سینٹی میٹر (دو تا پانچ انچ) کے درمیان ہوتی ہے۔

جھاگ ہی جھاگ

شیشے کا ایک گلاس لے کر اُسے آدھا پانی سے بھرلیں۔ اب اس پانی میں دو بڑے چمچے سرکہ ڈالیے (کوئی سا بھی)۔ اس کے بعد کھانے کا سوڈا ایک بڑے چمچے میں لے کر اُسے بھی گلاس میں ڈال دیں۔ اب ایک دوسرے چمچے سے آپ اس کو ہلائیے۔

او ہو! بھئی یہ تو بہت سارا جھاگ بن گیا۔

ہے نا! مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اتنا جھاگ بنا کیسے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ سرکہ اور کھانے کے سوڈے نے آپس میں حل کر گیس پیدا کی۔ جس کے نتیجے میں بہت سارے بُلبُلے پیدا ہوتے چلے گئے اور یوں آپ نے بہت سارا جھاگ بنا لیا۔

دیکھئے نا! جو چیزیں آپ اس تجربے میں خرچ کریں گے ان کا تعلق بھی باورچی خانے سے ہے۔ یعنی سرکہ اور کھانے کا سوڈا وغیرہ اور باورچی خانے کا تعلق بھی امی سے براہِ راست ہوتا ہے۔ اس لیے بہتر ہے کہ تجربے سے پہلے امی جان سے اجازت لے لیں ورنہ آپ تو جانتے ہی ہیں کہ پھر کیا ہوگا!!

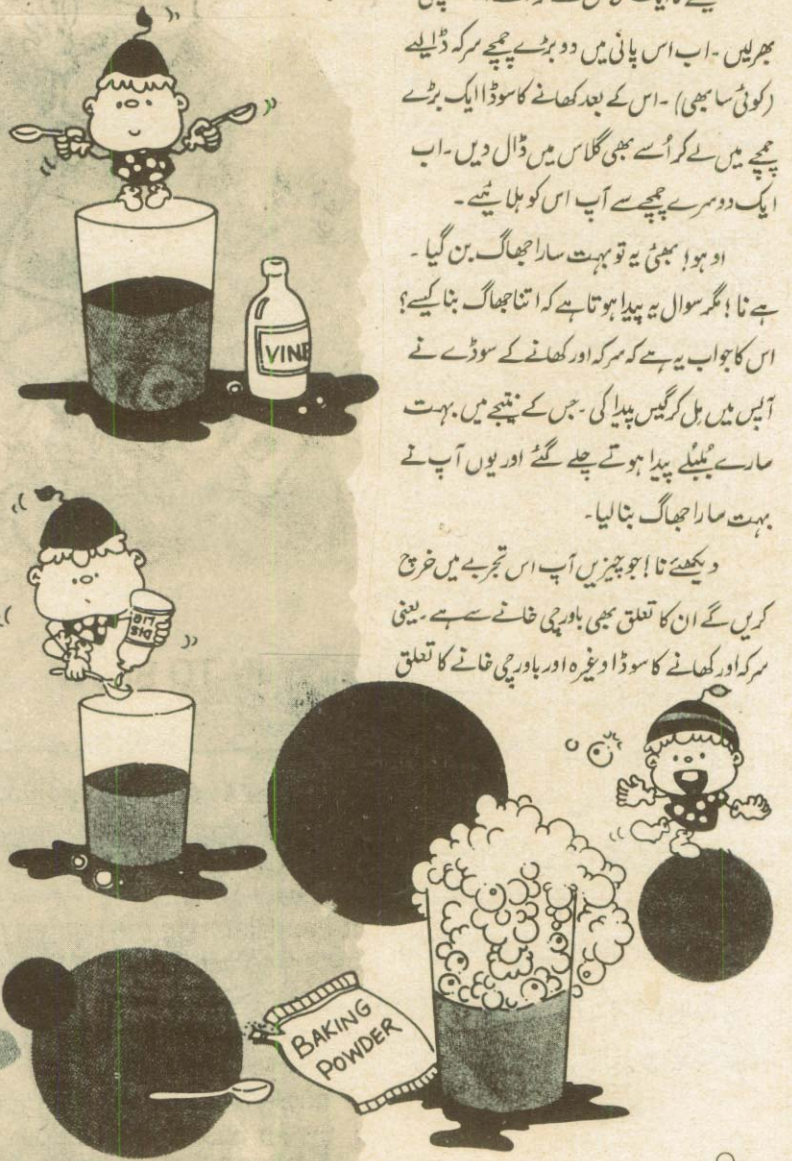

اب وقت قیمتی ہے

ابوالاثر حفیظ جالندھری

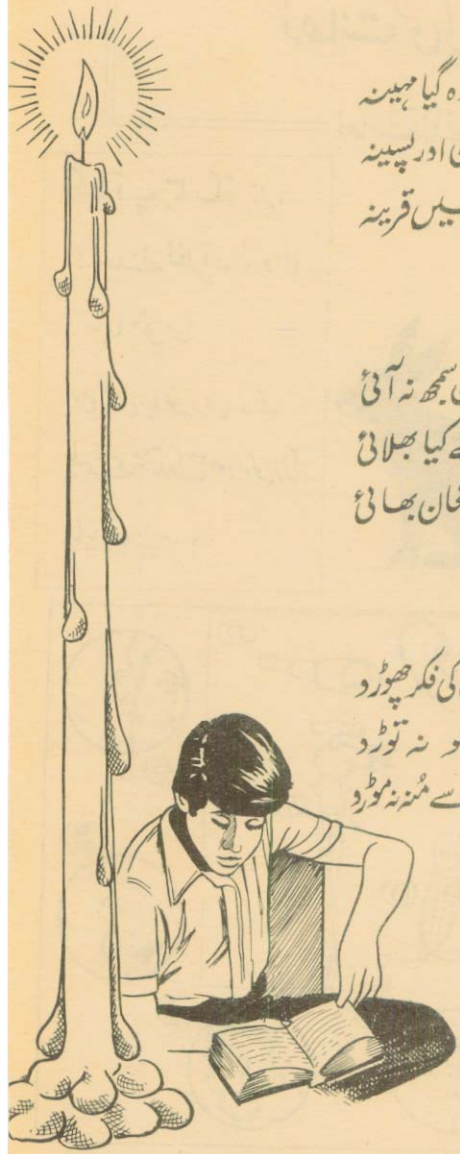

سالانہ امتحان ہیں
بس رہ گیا مہینہ
محنت ہیں ایک کر دو
اب خون اور پسینہ
ہر وقت کھیلنے کا
اچھا نہیں قرینہ

اب وقت قیمتی ہے
اب وقت قیمتی ہے

سارا برس گزارا
لیکن سمجھ نہ آئی
بیکار بیٹھنے میں
پائیں گے کیا بھلائی
ہمت کرو کہ سر پر
ہے امتحان بھائی

اب وقت قیمتی ہے
اب وقت قیمتی ہے

جو وقت کھو چکے ہو
اب اُس کی فکر چھوڑ دو
دل یاس سے نہ باندھو
اُمید کو نہ توڑ دو
لاؤ کتاب اُٹھاؤ
محنت سے مُنہ نہ موڑ دو

اب وقت قیمتی ہے
اب وقت قیمتی ہے

ذہانت کسی کی میراث نہیں

ذہانت آزمانے کے دلچسپ کھیل

کیا آپ بتا سکتے ہیں، کہ سامنے نظر آنے والا جانور کن تین جانوروں کے جسم کے مختلف حصوں کو جوڑ کر بنایا گیا ہے؟

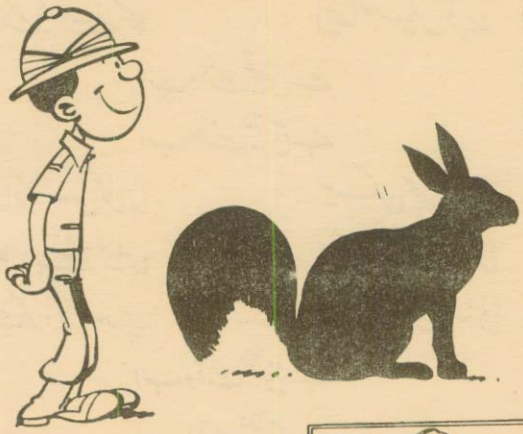

خانے میں بنے ہوئے چاروں آلات کا دائرے والے سے کیا تعلق ہے؟

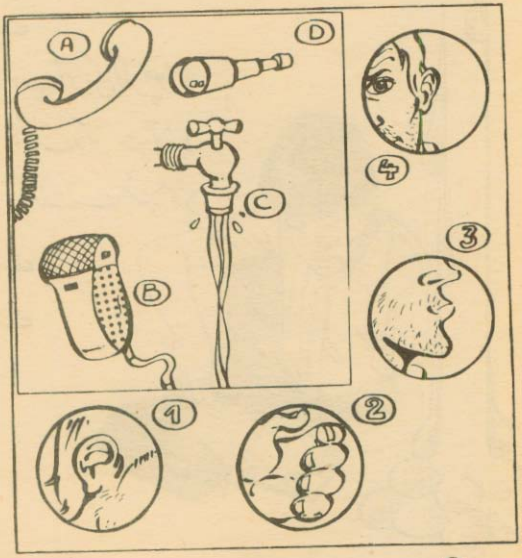

کس

کینگرو کی

آؤٹ لائن

سیاہ کینگرو

سے ملتی ہے؟

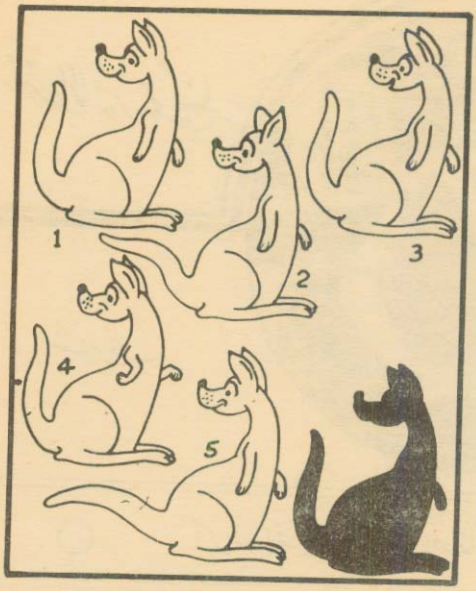

کیا آپ جانتے ہیں،

کہ کس ہیٹ کے

ساتھ کونسا اوزار

استعمال

ہوتا ہے؟

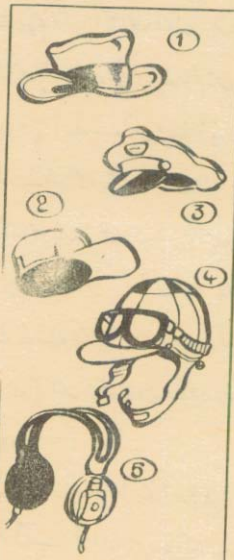

ننّھا لائبریرین

شیبری

اُس نے ایک بڑی بات سوچی اور بڑا آدمی بن گیا

"اوہ خدایا! اتنا خوبصورت قصبہ، اتنے اچھے لوگ، اتنا اچھا ماحول، مگر یہاں کتابیں کیوں نہیں ہیں؟" دس سالہ جیسن ہارڈمین اکثر تنہائی میں اس طرح کے جملے افسوس اور مایوسی کے عالم میں بڑبڑایا کرتا۔ وہ امریکی نیوی کے سابق افسر وائن ہارڈمینی کا بیٹا تھا اور ایلسی نور آنے سے قبل اپنے ڈیڈی اور ممّی کے ساتھ نیول ہیڈ کوارٹر میں رہا کرتا تھا جہاں ایک نہ دو، پوری چار لائبریریاں تھیں جن سے اُس کے ذوقِ مطالعہ کی تسکین ہوجایا کرتی تھی۔ مگر ڈیڈی کے ریٹائر ہونے کے بعد جب وہ ایلسی نور میں منتقل ہوئے تو اُنہیں یہ جگہ زندہ دل لوگوں، صاف ستھری آب و ہوا اور خوبصورت گھوڑوں کی وجہ سے بہت پسند آئی۔ مگر جیسن کے لیے پریشانی کی بات یہ تھی کہ یہاں کوئی لائبریری نہ تھی۔ اُسے کتابیں حاصل کرنے کے لیے چند میل دُور ایک اور قصبہ میں جانا پڑتا تھا۔ اور نوعمر جیسن کے لیے جلدی جلدی وہاں جانا ممکن نہ ہوتا تھا۔ چنانچہ اس مسئلے کی وجہ سے وہ سخت پریشان رہا کرتا تھا۔ پھر وہ وقت آیا جب اُس کی تنہائی اور اُداسی ختم ہوئی۔

اس کی ممّی کی ملاقات مقامی ادبی کلب کی نائب صدر مسز لینڈا ہارڈمین سے ہوئی۔ ممّی نے مسز لنڈا کے سامنے مسئلہ رکھا کہ میرے بچّے کو مطالعہ کا بڑا شوق ہے، مگر اس بھرے قصبے میں ایک بھی لائبریری نہیں ہے۔ یہ ۱۹۸۰ء کے شروع کے مہینوں کی بات ہے۔

مسز لینڈا نے انہیں بتایا کہ پہلے یہاں ایک پبلک لائبریری ہُوا کرتی تھی، مگر فنڈ کی کمی اور لوگوں کی دلچسپی نہ ہونے کی وجہ سے اُسے بند کرنا پڑا۔ مسز لینڈا نے یہ بھی بتایا کہ آج کل اس لائبریری کی کتابیں بڑے بڑے صندوقوں میں بند کر کے ایک تہہ خانے میں محفوظ کر دی گئی ہیں۔ اگر جیسن چاہتا ہے کہ وہ ان کتابوں کو دیکھے اور اپنی پسند کی کتابیں چھانٹ لے تو اُسے اس کی اجازت ہے۔ جیسن نے یہ پیش کش بڑی خوشی کے ساتھ قبول کر لی۔

کتابیں تھیں تو پُرانی، مگر اچھی حالت میں تھیں۔ ان کتابوں کے ملنے سے سرِ دست جیسن کے ذوق کی تسکین کا سامان ہو گیا۔ کچھ دنوں کے بعد جیسن کو ایک اور خیال سوجھا۔ یوں سمجھئے کہ خدمتِ خلق کے جذبے نے سر اُبھارا اب اس کا خیال تھا کہ ان کتابوں کو میں تو استعمال کر رہا ہوں مگر میرے جیسے اور بہت سے بچے اور لوگ ان کتابوں سے محروم ہیں کیوں نہ اپنی کتابوں سے دوبارہ لائبریری کا آغاز کر دیا جائے۔

جیسن نے اچھی طرح سوچنے کے بعد اپنا منصوبہ ادبی کلب کے سامنے پیش کر دیا۔ ادبی کلب میں کسی نے بھی اس کے اس منصوبے کو سنجیدگی سے نہ لیا اور صرف اتنا کہہ کر ٹال دیا گیا کہ اسے ایلسی نور ٹاؤن کونسل سے اجازت حاصل کرنا ہوگی۔ کیونکہ وہ تمام کتابیں ٹاؤن کی ملکیت تھیں۔ جیسن کو کوئی اندازہ نہ تھا کہ یہ سب کام کس طرح کرنا ہے، چنانچہ اُس نے اپنے ڈیڈی سے مدد کی درخواست کی۔ اس کے پاپا نے وعدہ تو کر لیا، مگر وہ اپنی مصروفیات کی وجہ سے اُس کی فوری طور پر کوئی مدد نہ کر سکے۔ تقریباً ایک ماہ بعد جیسن نے اپنے پاپا کو ٹاؤن ہال لے جانے پر راضی کر لیا۔ اُن دونوں کو وہاں ایک بڑی سی میز کے گرد بٹھا دیا گیا۔ وہاں پر اور بھی بہت سے لوگ موجود تھے۔ جو آپس میں گفتگو کر رہے تھے۔ کچھ دیر بعد ایک آدمی نے اُن سے پوچھا کہ "فرمائیے ہم آپ کی کیا مدد کر سکتے ہیں؟" جیسن کے ڈیڈی کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے "میرے ساتھ میرا بیٹا ہے۔ یہ لائبریری کھولنا چاہتا ہے"۔ تمام کونسلر کچھ حیران سے ہو گئے۔ اور جیسن سے تفصیل پوچھی کہ وہ کس طرح لائبریری کھولے گا۔ جیسن نے اُن کتابوں کے متعلق بتایا جو بند پڑی تھیں اور درخواست کی کہ ان کو ٹاؤن ہال کے نامکمل کمروں کو لائبریری کے طور پر استعمال کرنے کی اجازت دی جائے۔ اس پر میئر نے کہا کہ اُن کمروں میں بجلی وغیرہ کا انتظام بھی نہیں ہے اور نہ سردیوں میں اُن کمروں کو گرم رکھنے کا کوئی بندوبست ہے۔ لیکن جیسن کے ڈیڈی نے یقین دلایا کہ یہ سب انتظامات وہ خود کر لیں گے۔ میئر نے اُن سے کہا کہ کونسل اس مسئلہ پر غور کرے کوئی فیصلہ کرے گی۔

تمام کونسلر یہ سمجھتے تھے کہ جیسن کے سر پر سوار یہ بھوت کچھ دنوں کے بعد اُتر جائے گا اور پھر اس موضوع پر کوئی بات نہیں ہوگی، مگر جیسن ہمت ہارنے والا کب تھا۔

ایک مہینہ انتظار کرنے کے بعد جب معاملہ آگے نہیں بڑھا تو اس کے ڈیڈی نے اُس سے کہا کہ اب تمہیں

میئر سے اپنی درخواست کے متعلق پوچھنا چاہیے۔ ان کی ہمت افزائی پر جیسن نے پھر ہمت باندھی اور روزانہ رات کو میئر کو ٹیلی فون کرنا شروع کر دیا۔ وہ روزانہ فون کرکے بس ایک ہی بات پوچھتا کہ "کونسل سے لائبریری کی منظوری ملی یا نہیں؟" اور وہاں سے روزانہ ایک ہی جواب ملتا کہ "نہیں! ابھی نہیں"

وہ ہفتوں تک یوں ہی فون پر فون کرتا رہا۔ بالآخر جب میئر نے دیکھا کہ یہ لڑکا اجازت لیے بغیر نہیں ٹلے گا تو میئر نے کونسل میں لائبریری کی اجازت دینے کی سفارش کر دی۔

جون ۱۹۸۰ء کی میٹنگ میں کونسل نے تین شرائط پر لائبریری کی منظوری دینے کا وعدہ کیا۔ پہلی شرط تو یہ تھی کہ جیسن کو سارے کام اور ضروری اشیاء کا انتظام خود کرنا ہوگا۔ دوسری یہ کہ چاہے لائبریری کامیابی سے چلے نہ چلے کونسل اُسے مالی امداد نہیں دے گی اور تیسری شرط یہ تھی کہ جس وقت تک لائبریری کھلی رہے گی کوئی نہ کوئی بڑا وہاں موجود رہے گا۔۔۔

جیسن نے تیسری شرط کے علاوہ بقیہ دونوں شرائط فوراً تسلیم کرلیں۔ اور کہا کہ "اگر بڑے لائبریری چلانے میں میری مدد نہیں کرتے تو مجھے اُن کی سرپرستی کی بھی ضرورت نہیں" اور اس نے یہ بھی کہا کہ وہ ہر کونسلر کو روزانہ فون کرے گا۔ یہاں تک کہ وہ میری شرائط کو تسلیم کرلیں۔ اس کی ہمت اور جذبے کو دیکھتے ہوئے کونسل نے جیسن کو اُنہی دو شرائط پر جو جیسن کو منظور تھیں لائبریری قائم کرنے کی اجازت دے دی۔

اگلے دن جیسن اور اُس کے ڈیڈی نے کمرے کا جائزہ لیا۔ کونسل کی یہ عمارت ۱۸۹۸ء میں تعمیر ہوئی تھی یوں محسوس ہوتا تھا کہ جیسے اُس وقت سے ان کمروں کو استعمال نہیں کیا گیا۔ گندے اور تاریک کمروں کو دیکھ کر جیسن گھبرا گیا۔ لیکن اس نے ہمت نہ ہاری اور ان کمروں کو قابلِ استعمال بنانے کی کوششیں شروع کر دیں۔

چند ہفتوں کے اندر ایک رضا کار نے کمرے میں بجلی کی وائیرنگ کر دی اور پانچ چھ افراد نے کتابوں کے نئے شیلف بنانے میں مدد کی۔ جیسن کے بہن بھائی اور ممی نے بھی بہت سے کاموں میں اُس کا ہاتھ بٹایا۔ تھوڑے سی عرصے میں انہوں نے اس کمرے کو لائبریری کی شکل دے دی۔

کتابوں کے شیلف مکمل ہونے سے پہلے ہی جیسن نے لوگوں سے کتابوں کے عطیات کے لیے رابطہ قائم کرنا شروع کیا۔ ہر شام جیسن اور اُس کے ڈیڈی اپنی پک اپ میں بیٹھ جاتے اور گلی گلی جا کر لوگوں سے کتابوں کے عطیات وصول کرتے۔

بالآخر ۱۹۸۰ء میں اپنی گیارہویں سالگرہ کے دو ہفتے بعد جیسن نے لائبریری کو لوگوں کے لیے کھول دیا۔ لائبریری کے اوقات منگل اور بدھ کے روز چار سے چھ بجے شام تھے۔ اس وقت اس کی لائبریری میں چار ہزار

کتابیں تھیں۔ چونکہ ایلسی نور چھوٹی سی جگہ تھی اور جیسن سب کو ذاتی طور پر جانتا تھا۔ اس لیے شروع شروع میں ممبرشپ کارڈ کا اجرا ضروری نہیں سمجھا گیا۔ بس وہ کتاب لینے والے کا نام اور کتاب کا نام رجسٹر میں درج کر لیتا تھا۔

شروع شروع میں تو کام بہت زیادہ تھا کافی لوگ لائبریری میں آتے تھے، مگر جب سردیاں آئیں تو لائبریری کے یخ بستہ کمرے بہت تکلیف دینے لگے جس کی وجہ سے لوگوں نے آنا کم کر دیا۔ لائبریری کو گرم رکھنے کا کوئی بھی انتظام نہ تھا اور جیسن وہاں اکیلا بیٹھا سردی سے ٹھٹھرتا رہتا۔ سخت سردی کے یہ دن بڑے حوصلہ شکن تھے۔ کبھی کبھی جیسن تنگ آکر سوچتا کہ لائبریری کو بند کر دے مگر پھر وہ سوچتا کہ حوصلہ ہارنا تو بزدلوں کا کام ہے یہ کام چونکہ اُس کے لیے ایک چیلنج تھا اور وہ ہار کر شرمندہ نہیں ہونا چاہتا تھا۔ بلکہ وہ تو دنیا کے بچوں کے لیے ایک اعلیٰ مثال قائم کرنا چاہتا تھا۔

کچھ دنوں بعد اُس نے پرانے قالین کے ٹکڑوں اکٹھا کر کرکے نہایت خوبصورتی سے کنکریٹ کے ٹھنڈے فرش کو ڈھک دیا۔ اس کے ڈیڈی نے اُسے مٹی کے تیل سے جلنے والا ایک ہیٹر بھی لا دیا۔ اسطرح جیسے تیسے اس نے سردیاں گزار دیں اور جب گرمیوں کی چھٹیاں ہوئیں تو اُس کی لائبریری میں بہت رونق ہو گئی۔ اس کا کام دوگنا ہو گیا کیونکہ اسکولوں کی لائبریریاں بند ہو چکی تھیں۔

۱۹۸۱ء میں مقامی اخبار کے ایڈیٹر نے جیسن کی لائبریری کو دیکھا تو وہ بڑا متاثر ہوا۔ اُس نے اپنے اخبار میں اُس کی کہانی شائع کی۔ اس کی کہانی کو جب "سالٹ لیک سٹی ٹریبیون" کی ایڈیٹر نے پڑھا تو اُس نے بھی اپنے اخبار میں جیسن اور اُس کی لائبریری کے بارے میں ایک فیچر شائع کیا۔ بعد میں ایسوسی ایٹڈ پریس نے اپنے ایک فیچر کے ذریعے جیسن کے کارنامے کو پورے ملک میں پھیلا دیا۔ یوں اچانک ہی جیسن کو اتنی شہرت ملی کہ اس کو امریکہ کا کم سن ترین لائبریرین کا خطاب دیا جانے لگا۔

جولائی ۱۹۸۲ء میں لائبریری سائنس کے قومی کمیشن کی طرف سے جیسن کو واشنگٹن میں ہونے والی کانفرنس میں شرکت کی دعوت دی گئی۔ اس کانفرنس کا موضوع "دیہی علاقوں میں لائبریریوں کی ضرورت اور کردار" تھا۔ جیسن نے وہاں بہت سارے مندوبین، حاضرین اور رپورٹروں کی موجودگی میں نہایت خود اعتمادی سے بتایا کہ کس طرح اُس نے ایلسی نور میں لائبریری کا آغاز کیا۔ اس نے بتایا کہ اس کا دل چاہتا ہے کہ گاؤں کی لائبریریاں شہر کی لائبریری کی طرح اچھی ہوں۔ کانفرنس کے مندوبین نے اُس کی بہت تعریف اور حوصلہ افزائی کی۔

واشنگٹن سے گھر پہنچنے کے ایک دن بعد اُسے ٹیلی ویژن شو میں شرکت کا پیغام ملا۔ جیسن کو پہلے تو بالکل

یقین نہیں آیا کہ ٹیلی ویژن والے بھی اُسے بُلا سکتے ہیں۔ اس نے سوچا کہ شاید اُس کے کسی دوست نے شرارت کی ہے، مگر ایک ہفتے کے بعد اس کو یقین کرنا پڑا۔ جب وہ اس شو میں لائبریری اور اُس کے لیے مزید کتابوں کی ضرورت کے متعلق لوگوں کو بتا رہا تھا۔

اس پروگرام کے بعد پورے مُلک سے اُس کی لائبریری کے لیے کتابیں آنا شروع ہو گئیں۔ جیسں مختلف پارسل وصول کرتا جن سے نئی یا پرانی کتابیں، کبھی ایک کبھی دو اور کبھی پوری درجن بھر نکلتیں اور مزید یہ کہ سو ڈالر تک کی عطیاتی رقمیں بھی ملتیں۔ چنانچہ سردیوں تک جیسن نے انسائیکلو پیڈیا کے چار سیٹ اور ۱۴۰۰ کتابیں اکٹھی کر لی تھیں۔ اور یہ تعداد "منرو" کی معروف لائبریری سے بھی زیادہ تھی۔

اس کے بعد چند ماہ تک تین چار اخبارات اور رسالوں میں جیسن کے کارناموں کی تفصیل چھپ چکی تھی۔ اور جنوبی کیلیفورینا کی یونیورسٹی نے جیسن کا وظیفہ مقرر کر دیا۔ جنوری ۱۹۸۳ء میں جیسن کو ریاست کی قانون ساز اسمبلی میں خطاب کرنے کی دعوت دی گئی جہاں جیسن نے بڑے سکون اور اعتماد سے اپنے کام کی تفصیلات بیان کیں۔ پھر اس کے بعد گرمیوں میں اسوقت جیسن کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی جب لائبریری سائنس کے قومی کمیشن کی طرف سے جیسن کو ایوارڈ دینے کا اعلان کیا گیا۔ ایوارڈ کی تقریب امریکہ کے صدر ریگن کی موجودگی میں ہوئی۔ جیسن نے اپنا ایوارڈ وصول کیا اور صدر ریگن کو لائبریری کا اعزازی ممبر شپ کارڈ پیش کیا۔

بچو! آپ سوچ رہے ہوں گے کہ کیا جیسن صرف لائبریری کے کام میں مصروف رہتا تھا؟ کیا وہ پڑھتا نہیں تھا؟ تو جناب ایسی بات نہیں ہے۔ وہ اپنی پڑھائی میں بھی محنت کرتا تھا۔ وہ دل لگا کر پڑھتا بھی تھا اور دل لگا کر کام بھی کرتا تھا۔ اور ۱۹۸۴ء میں جب اُسے کالج میں داخلہ لینا تھا تو اُس نے ٹاؤن کونسل سے درخواست کی کہ اب کسی کو لائبریری کا انتظام سنبھالنے کے لیے بھیجا جائے تاکہ وہ اپنی تعلیم مکمل کر سکے۔ لہٰذا کونسل نے نہ صرف اُس کی یہ بات مان لی بلکہ لائبریری کو مزید ایک کمرہ بھی دے دیا اور تھوڑی سی ماہانہ رقم بھی لائبریری کی ضروریات کے لیے مقرر کر دی۔

اور اب ۱۹ سالہ نوجوان جیسن اپنی تعلیم مکمل کر رہا ہے۔ وہ ایک ایسا نوجوان ہے جو کہ یقیناً اپنے بچپن پر فخر کر سکتا ہے۔

خاموشی

تمہاری گفتگو اگر موتی بھی بکھیر دے تو خاموشی بہتر ہے۔ سیپ کی مانند خاموش رہو، جس میں موتی بھرے ہوتے ہیں۔

(محمد اکرم سیالوی، وکیل والا)

امّی! یہ لڑائی کب ختم ہوگی

طاہر مسعود

ایک اُداس تحریر
جس میں بہت سے گھرانوں کے ماحول کی جھلک نظر آتی ہے

"کیا مجھے یہ خط لکھنا چاہیے؟ میں نے بار بار سوچا اور پیاری امّی جان! میں اسی نتیجے پر پہنچا کہ مجھے وہ بات آپ سے کہہ دینی چاہیے جسے آپ اور ابّو جان اب تک محسوس نہیں کر پائے ہیں۔ میں نے کتنی ہی مرتبہ چاہا کہ اپنے ان احساسات کا گلا گھونٹ دوں اور ایک ہلکے پھلکے بچّے کی طرح بستر پر دراز ہو کر گہری نیند سو جاؤں لیکن کیا آپ یقین کر سکتی ہیں کہ نیند میری آنکھوں سے رُوٹھ چکی ہے۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے جب آپ کمرے میں یہ دیکھنے آئیں کہ میں، عائشہ اور راحیل کیا سو چکے ہیں تو میں جلدی سے رضائی کے اندر دبک گیا۔ اور اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ سُنا ہے مائیں اپنے بچّوں کے چہرے سے اُن کی دلی کیفیات کو بھانپ لیتی ہیں تو پھر پیاری امّی جان! آپ ہمارے چہروں کے تاثر کیوں نہیں پڑھ پاتیں۔ جب آپ ہماری خوشیوں کو پہچان سکتی ہیں تو ہماری اُداسیاں آپ کی نگاہوں سے کیسے اوجھل ہو جاتی ہیں۔ آج سہ پہر جب آپ اور ابّو آپس میں جھگڑ رہے تھے۔ کسی غلطی پر ایک دوسرے کو قصوروار ٹھہرا رہے تھے۔ ابّو بہت زور سے گرجے تھے اور پھر آپ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھیں۔ میں، عائشہ اور راحیل دروازے پر کھڑے یہ سارا منظر دیکھ رہے تھے۔ اور جب یکایک ابّو کی نگاہ ہم لوگوں پر پڑی تو انہوں نے چیخ کر

کہا: "کیا تماشہ دیکھ رہے ہو تم لوگ۔ بھاگ جاؤ یہاں سے۔"

اور ہم تینوں خوفزدہ ہو کر باورچی خانے میں چلے گئے تھے۔ عائشہ رونے لگی تھی۔ راحیل کا چہرہ زرد تھا اور میں بھی سخت گھبرایا ہوا تھا۔ میں چونکہ بڑا تھا۔ اس لیے مجھے فوراً احساس ہوا کہ مجھے اپنے ان چھوٹے بہن بھائی کے لیے کچھ کرنا چاہیے۔ انہیں اُس وقت میری مدد کی ضرورت تھی۔ میں نے اُن دونوں کے بازوؤں کو تھاما اور کہا "عائشہ، راحیل تم لوگ پریشان نہ ہو۔ امی اور ابو ابھی ٹھیک ہو جائیں گے۔"

راحیل رو کر کہنے لگا "نہیں ابو، امی کو مار رہے ہوں گے۔"

میں نے سمجھایا "راحیل، گندی باتیں نہیں کرتے۔ تم لوگ ٹھہرو، میں ابھی ان لوگوں میں دوستی کرا کے آتا ہوں۔" پھر میں انھیں چھوڑ کے واپس کمرے کی طرف آیا تو میں نے دیکھا کہ ابو کرسی پر دونوں ہاتھوں میں سر تھامے بیٹھے ہیں اور آپ امی جان بستر پر اوندھے منہ لیٹی سسکیاں لے رہی ہیں ــــ کسی چھوٹی سی بچی کی طرح۔ اور یہ اُسی ایک دن کا واقعہ تو نہیں... گھر میں ایسا ہنگامہ تو ہر ہفتے دو ہفتے پر ہو جایا کرتا ہے۔ جب کسی معمولی سی بات پر آپ دونوں اُلجھ پڑتے ہیں اور گھر کا ماحول درہم برہم ہو جاتا ہے۔

مجھے یاد ہے جب میرے ہوش سنبھالنے کے بعد آپ دونوں میں پہلی بار لڑائی ہوئی تھی۔ اس کی وجہ تو میں ہی بنا تھا۔ میں نے خاموشی سے کچن میں جا کر چاقو سے اپنی انگلیاں زخمی کر لی تھیں۔ زخم گہرا تھا۔ خون کا فوارہ پھوٹ پڑا تھا۔ جب ابو دفتر سے آئے اور انہوں نے میری انگلی میں پٹی بندھی دیکھی اور اِدھر اُدھر خون کے دھبے دیکھے اور جب اُنہیں تفصیل معلوم ہوئی تو وہ امی پر برس پڑے "یہ تمہارا قصور ہے۔" وہ چیخے "تمہیں بچے کا ذرہ برابر خیال نہیں۔"

"چیخنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر ایسا ہی ہے تو کوئی آیا رکھ لیجیے" امی یہ آپ کا جواب تھا۔

"ہاں تو پھر گھر میں آیا ہی رہے گی۔" ابو غصے میں بولے۔

"نکال دیجیے مجھے گھر سے۔ میری تو قسمت ہی پھوٹ گئی ہے۔" اور پھر آپ رونے بیٹھ گئیں۔

میں سہما سہما کبھی آپ کو اور کبھی ابو جان کا منہ تکتا تھا۔ میں سوچ رہا تھا قصور تو میرا ہے پھر مجھے ڈانٹنے اور سمجھانے کے بجائے آپ لوگ آپس میں کیوں جھگڑنے لگے۔ پھر میں پریشان ہو کر رونے لگا تھا اور میں نے روتے ہوئے ابو سے کہا تھا "ابو، ابو انگلی میں نے کاٹی ہے... امی نے نہیں کاٹی۔ آپ انہیں مت ڈانٹیے۔"

تب ابو مجھے گود میں اُٹھا کر باہر نکل گئے تھے۔ انہوں نے مجھے ڈھیر ساری ٹافیاں دلوائی تھیں۔

لیکن مجھے یہ ٹافیاں بالکل اچھی نہیں لگی تھیں۔ کیوں کہ میری نگاہوں کے سامنے امی جان آپ کا روتا ہوا چہرہ گھوم رہا تھا۔ پھر اُس رات میں نے آپ سے کہا تھا امی آپ رویا مت کیجیے۔ میں ابو کو سمجھا دوں گا وہ آپ کو کبھی نہیں ڈانٹیں گے۔ یہ سُن کے آپ نے مجھے گلے لگا لیا تھا۔

اگلے سال راحیل پیدا ہوا۔ مجھے واقعی خوشی ہوئی۔ میرا خیال تھا کہ اب امی اور ابو نہیں جھگڑا کریں گے۔ اور اگر انہوں نے جھگڑا کیا تو پھر میں اور راحیل مل کر امی اور ابو کی دوستی کرا دیا کریں گے لیکن راحیل تو کیا عائشہ بھی دنیا میں آگئی اور آپ اور ابو بالکل نہیں بدلے۔ میں سوچتا تھا شاید ابو آپ سے محبت نہیں کرتے لیکن ایسا نہیں تھا۔ ایک روز جب آپ ناراض ہو کر نانی جان کے گھر چلی گئی تھیں تو ابو جان کی پریشانی دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ وہ سارا وقت بالکونی میں ٹہلتے رہے تھے۔ انہوں نے رات کا کھانا بھی نہیں کھایا اور پھر وہ اگلی صبح جا کر آپ کو منا کر لے آئے تھے۔ ہم سمجھے تھے کہ شاید اب ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس دنگا فساد کا خاتمہ ہو گیا جس نے ہمارے گھر کے ماحول کو گھٹن آلود بنا رکھا تھا۔ لیکن تیسرے ہی روز رات کے کھانے میں نمک زیادہ ہو جانے پر آپ دونوں کے درمیان زوردار جھڑپ ہوئی اور ہم تینوں بھائی بہن بھوکے سو گئے۔ اور ہمیں یہ دیکھ کر حیرت کی انتہا نہ رہی جب اگلی صبح آپ دونوں نہایت نادم تھے اور ہم بچوں کو خوب پیار کر رہے تھے اور رات کے واقعے پر افسردہ خاطر تھے۔

عائشہ اب پانچ سال کی ہو چکی تھی اور بولتے ہوئے ہکلاتی تھی۔ راحیل کے دل میں نہ جانے کس چیز کا خوف بیٹھ گیا تھا کہ وہ ذرا ذرا سی بات پر رونے لگتا اور سینہ پکڑ کر بیٹھ جاتا تھا۔ مجھے نہیں معلوم کہ عائشہ اور راحیل کی ان کیفیات کا آپ لوگوں کے لڑائی جھگڑے سے کیا تعلق تھا۔ اسکول میں ایک روز مس نے مجھے بُلایا اور پوچھا: "جمال! تم اتنے سُست کیوں رہتے ہو؟ دوسرے بچوں کو دیکھو، تم اُن سے کتنے مختلف ہو۔ کیا تمہیں کوئی پریشانی ہے۔ سچ سچ بتاؤ۔"

"نہیں مس ایسی تو کوئی بات نہیں" میں نے کہا، حالانکہ اُن کے ہمدردانہ لہجے سے میرا دل بھر آیا تھا اور میرا جی چاہا تھا پھوٹ پھوٹ کر رو دوں۔

کل شام ہم آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ راحیل کہنے لگا: "بھائی جان! جب ہم لوگ آپس میں لڑتے ہیں تو امی اور ابو ہمیں ڈانٹتے ہیں اور کہتے ہیں لڑنا جھگڑنا نہایت بُری بات ہے تو پھر امی اور ابو کیوں لڑتے ہیں؟"

عائشہ ہکلا ہکلا کر بولی: "بچوں کو نہیں لڑنا چاہیئے۔ گندی بات ہوتی ہے۔"

راحیل نے جواب دیا: "تو کیا بڑوں کا لڑنا گندی بات نہیں ہوتی؟"

"بچے خراب باتوں پر لڑتے ہیں اور امّی، ابّو اچھی باتوں پر جھگڑا کرتے ہیں۔ کیوں بھائی جان؟" عائشہ نے سوچ کر کہا۔

"نہیں عائشہ۔ لڑائی تو پھر لڑائی ہے چاہے کسی بات پر ہو" میں نے اُسے سمجھایا۔ ابھی ہم یہ باتیں کر رہے تھے کہ ابّو جان آ گئے اور ہم لوگ چُپ ہو گئے۔

"بتاؤ تو سہی، میں تم لوگوں کے لیے کیا لایا ہوں؟" ابّو جان نے بریف کیس میز پر رکھتے ہوئے پوچھا۔

"امّی کے آنسو!" عائشہ نے کہا، اور ابّو جان بھونچکا رہ گئے۔ وہ آہستہ آہستہ قدم اُٹھاتے ہوئے عائشہ کے نزدیک گئے اور گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے۔ انہوں نے عائشہ کے چہرے کو دونوں ہتھیلیوں سے تھاما اور اس کی آنکھوں میں دیکھتے رہے۔ پھر ایک دَم اُسے سینے سے چمٹا لیا۔ میں یقین سے نہیں کہہ سکتا لیکن مجھے شُبہ ہے کہ ابّو کی آنکھیں بھیگ گئی تھیں۔ میں اور راحیل وہاں سے ہٹ گئے۔ کیونکہ ہمیں پتا تھا کہ یہ سب وقتی باتیں ہیں اور کچھ ہی روز بعد یہ گھر پھر سے اُسی چیخ و پکار کی آماجگاہ بن جائے گا۔ امّی جان آپ میں اور ابّو میں مستقل دوستی اُسی صورت میں ہو سکتی ہے جب ہمارے گھر میں ہر وقت کوئی نہ کوئی مہمان موجود رہے۔ کیوں کہ ہم نے دیکھا ہے کہ آپ لوگ مہمانوں کے سامنے نہیں جھگڑتے، بلکہ جب ابّو جان کا موڈ بہت خوشگوار ہو اور آپ دونوں ہنس ہنس کر باتیں کر رہے ہوں تو ہم سمجھ جاتے ہیں کہ ضرور گھر میں کوئی مہمان آ رہا ہے۔ یا پھر وہ واقعہ کہ جب راحیل کو ٹھنڈ لگ گئی تھی۔ اور اس کا سینہ اتنا جکڑ گیا تھا کہ سانس لینا دشوار ہو رہا تھا۔ آپ اور ابّو دونوں ہی پریشان تھے۔ جب تک راحیل بیمار رہا آپ دونوں میں کوئی لڑائی نہیں ہوئی۔ میں اور عائشہ حیران تھے۔ ہمارا جی چاہ رہا تھا کہ راحیل ہمیشہ بیمار رہے اور آپ دونوں میں ہمیشہ صلح رہے۔ اور یہ گھر جنت بنا رہے۔

پیاری امّی جان۔ اب رات بہت بیت چکی ہے۔ میں اتنا کچھ لکھ کر اپنے آپ کو ہلکا محسوس کر رہا ہوں۔ کبھی کبھی میں بہت پریشان ہو جاتا ہوں اور میرا جی چاہتا ہے کہ میں کسی ٹرین پر بیٹھ جاؤں... کہیں دُور نکل جاؤں۔ لیکن راحیل اور عائشہ...

میں نے ابھی تھوڑی دیر پہلے خدا سے ایک دُعا مانگی ہے۔ لیکن میرا خیال ہے کہ میری آواز خدا تک نہیں پہنچ پائے گی اس لیے کہ جن بچوں کی آوازیں اُن کے والدین نہیں سُن پاتے۔ اُسے اللہ میاں بھلا کیسے سُن پائیں گے... وہ تو نیلے آسمان پر ہیں اور نیلا آسمان ہمارے جھگڑالو گھر سے بہت دُور ہے۔

میری ڈائری

ڈائری لکھنا بھی دیگر مشاغل کی طرح ایک مشغلہ ہے ۔ مگر یہ مشغلہ نسبتاً بڑوں میں زیادہ مقبول ہے ۔ اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ چھوٹی عمر کے لوگ ڈائری نہیں لکھ سکتے، ہمارے مشاہدے میں کئی ایسے طلبہ طالبات اور نوآموز قلم کار آئے ہیں جو اپنی ڈائری بے قاعدگی یا باقاعدگی سے لکھتے ہیں مگر لکھتے ضرور ہیں۔ یقیناً لکھتے پڑھتے رہنا ایک اچھی عادت ہے، ڈائری لکھنے کا ہر ایک کا اپنا علیحدہ ایک انداز ہے ۔کسی کی ڈائری اشعار سے مزیّن ہے تو کسی کی اقتباسات سے، کوئی اپنے تاثرات کو ڈائری میں قلم بند کرتا ہے تو کوئی اپنے روزمرّہ کے معمولات کو،

اگر آپ ڈائری لکھتے ہیں تو آپ کی ڈائری میں بھی کوئی پیارا سا شعر، کوئی مفید قول، کوئی گُر کی بات یا کوئی حکیمانہ سا نکتہ ضرور ہوگا، اگر آپ محسوس کرتے ہیں کہ آپ کی ڈائری کا کوئی ورق دوسروں کے لیے بھی مفید اور معلوماتی ہو سکتا ہے یا اُن کے ذوقِ مطالعہ کو تسکین بخشتا ہے تو پھر ایک لمحے کی بھی دیر نہ کیجیے، ڈائری کے اس ورق کی ایک نقل فوراً ہمیں بھجوا دیجیے۔ ہم اسے آپ کے نام کے ساتھ بہت جلد "میری ڈائری" میں شامل کریں گے ۔

آپ کی ڈائری کے خوبصورت گوشوں سے انتخاب

۲۱ / دسمبر ۸۸ء

"اُس نے دن کو محنت اور رات کو مشقت کی، کھیل کود چھوڑی اور کام کیا، ناول اور کہانیوں سے دُور رہا اور خشک کتابیں پڑھ پڑھ کر علم حاصل کیا یہاں تک کہ آرام کے ہر ہر لمحہ اُس نے محنت کی، علم اور مشقت نے اُسے کامیابیوں، کامرانیوں اور مسرتوں سے ہمکنار کیا اور... اور لوگوں نے اُسے حسد بھری نظروں سے دیکھا اور کہا "یہ تو قسمت کا کھیل ہے۔"

(حامد علی شاہد ، لاوہ ، ضلع چکوال)

۳ / فروری ۸۸ء

آج مجھے یہ شعر بہت یاد آرہا ہے ... اپنی ڈائری میں محفوظ کر رہا ہوں ؎

کہہ رہا ہے شورِ دریا سے سمندر کا سکون - جس میں جتنا ظرف ہے اُتنا ہی وہ خاموش ہے ۔ (مبشر علی زیدی، بانچولی، کراچی)

۵ / جنوری ۸۹ء

بعض اوقات بچوں کی معصومیت کیسے کیسے لطائف دکھا دیتی ہے، آج ہی یہ لطیفہ پڑھا۔ اچھا لگا، لکھ رہی ہوں۔

"گھر میں کوئی تقریب تھی، مہمان نے میزبان کی چھوٹی سی بچی سے پوچھا بیٹا... آپ گھر میں کیا کرتی ہیں؟ بچی بولی انکل ابھی میرا کام شروع نہیں ہوا"... انکل نے پھر پیار سے دوسرا سوال پوچھا... "اچھا... آپ کا کیا کام ہے، بچی نے معصومیت سے جواب دیا "آپ لوگوں کے جانے کے بعد چمچے گننا"۔ (شمائلہ اکبر، نگینہ اسکوائر، کراچی)

۳۱ر دسمبر ۶۸۸

آج میں ناشتہ سے فارغ ہو کر باہر لان میں بیٹھی اخبار پڑھ رہی تھی تو مجھے یہ خبر پڑھ کر بہت افسوس ہوا کہ کراچی میں فن لینڈ میں بم کا دھماکہ ہوا، اور ایک شخص ہلاک اور ۶ ر زخمی ہو گئے۔ میں سوچنے لگی کہ آخر یہ سب کچھ کب تک ہوتا رہے گا، میری خدا سے دعا ہے کہ وہ دن جلد آئیں جب پاکستان مکمل سلامتی اور امن کا گہوارہ بن جائے اور تمام پاکستانیوں میں اتحاد پیدا ہو جائے۔ (شازیہ قادر۔ حیدرآباد)

۱۹ر دسمبر ۶۸۸

ریت کے ذرّوں نے مل کر ریگستانوں اور صحراؤں کا لقب اختیار کیا، پانی کے قطروں نے مل کر دریاؤں اور سمندروں کا لقب حاصل کیا، چھوٹے چھوٹے پتھروں اور کنکروں نے مل کر پہاڑ کا نام لیا... مگر انسانوں نے مل کر کون سا لقب اختیار کیا؟ نہیں انسانوں کا ملاپ تو رنگ و نسل اور مذہب کی تفریق کی وجہ سے ہوتا ہی نہیں... ہمارے لیے سوچنے کا مقام ہے، (محبوب الٰہی مخمور، کراچی)

۹ر نومبر ۶۸۸

آج علامہ اقبال کا یوم ولادت ہے، آج اخبار کا مطالعہ کر رہا تھا تو اس خوبصورت شعر پر نظر پڑی۔ علامہ اقبالؒ کے حوالے سے فوراً نوٹ کر لیا۔

(اقبالؒ)

اُس قوم کو شمشیر کی حاجت نہیں رہتی۔ ہو جس کے جوانوں کی خودی صورتِ فولاد (عظمیٰ ادریس، کراچی)

۲۷ر دسمبر ۶۸۸

دوستی کے بارے میں میرے خیالات: "دوستی ایک نازک پھول کی مانند ہے، جس نے اپنے پنکھ فضا میں پھیلا رکھے ہیں، اگر احتیاط نہ کی جائے تو یہ نازک رشتہ پل بھر میں ٹوٹ جاتا ہے۔ (مشہلا زیب نرم لفظوں سے بھی لگ جاتی ہیں اکثر چوٹیں۔ دوستی، ایک بڑا نازک سا ہنر ہوتی ہے۔ ملیر توسیعی کالونی، کراچی)

۱۵ر اکتوبر ۶۸۸

آج رات کو سب لوگ کھانے کی میز پر جمع ہوئے، امی ڈونگے میں سے سالن نکال کر دینے لگیں... تو معلوم ہوا کہ آج بینگن پکے ہیں، میرا دل چاہا کہ کہوں... امی یہ کیا پکا دیا ہے، مگر فوراً نبی کریم صلی اللہ علیہ

وسلم کا طرزِ عمل ذہن میں آگیا کہ "آپؐ نے کبھی کھانے پر نکتہ چینی نہیں کی، اگر خواہش ہوئی تو کھا لیا اور اگر ناپسند ہوا تو چھوڑ دیا۔ (روایت "ابوہریرہؓ") یہ سوچ کر میں نے خاموشی کے ساتھ کھانا شروع کر دیا۔۔ آج سب ہی حیران تھے کہ میں نے ناک بھوں نہیں چڑھایا۔ (فائزہ حمید۔ شیر شاہ۔ کراچی)

۱۰ر اکتوبر ۸۸ء

رات کے آٹھ بجے کا وقت تھا، سب گھر والے بیٹھے ٹی وی دیکھ رہے تھے۔ ہمارے گھر میں ایک خاموشی اور اُداسی کا عالم تھا۔ اتنے میں اطلاعی گھنٹی بجی۔ میں دوڑتا ہوا دروازے پر گیا، میری رگ و پے میں خوشی کا ایک انجانا سا احساس دوڑ گیا، دھڑکتے دل کے ساتھ دروازہ کھولا۔ سامنے ہی ابّو کھڑے تھے۔ میرے پیارے ابّو۔ آج پانچ سال کے بعد وطن لوٹے تھے، میں اُن سے لپٹ گیا۔ میری آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔ میں نے ابّو سے کہا ابّو ہمیں تحائف کی ضرورت نہیں۔ آپ کی ضرورت ہے، اب آپ ہمارے پاس ہی رہیے گا۔ کیا آپ کو یہاں نوکری نہیں ملتی۔ اُس وقت میری خوشی کی انتہا نہ رہی جب میں نے ابّو سے وعدہ لیا کہ اب وہ کراچی ہی میں رہیں گے۔ ہمارے پاس، ہمارے درمیان۔۔۔ (بلال حیدر، ڈالمیا۔ کراچی)

۲۷ر دسمبر ۸۸ء

جس کی محبت بے لوث ہو۔ جس کا خلوص بے مثال ہو۔ جس کی وفا انمول ہو۔ جس کی ہمدردی بیش بہا ہو۔ اور جس کی جُدائی کا غم بے پناہ ہو۔ سمجھ لو وہی بہترین دوست اور خیر خواہ ہے۔ (ثمرین سعید، جمشید روڈ۔ کراچی)

۲۵ر نومبر ۸۸ء

ہمارے اسکول کی خوبصورت لائبریری کے ہال میں ایک کتبہ لگا ہوا ہے جس پر یہ الفاظ درج ہیں۔

"ماضی پر رونا اور پچھتانا انتہائی مضحکہ خیز ہے، کیونکہ ماضی کے نقصان کی تلافی کے لیے ابھی مستقبل کھڑا مسکرا رہا ہے۔"

(صائمہ سعید، مسکھر)

۳۱ر دسمبر ۸۸ء

آج ۱۹۸۸ء کے سال کا آخری دن ہے۔ اب سے چند گھنٹوں کے بعد نئی تاریخ اور نیا سال شمار کیا جائے گا۔ میں اس وقت سونے کے لیے جا رہا ہوں۔ اس دُعا کے ساتھ کہ۔

"اللہ تعالیٰ نئے سال کو ہمارے لیے، امن و سلامتی، خیر و برکت اور بھائی چارے کا سال بنا دے،۔۔۔ اور ہمارے پیارے پاکستان کو جو لاکھوں لوگوں کی قربانیوں کے عوض خدا کا تحفہ ہے۔۔۔ طاقت ور بنا دے، مضبوط بنا دے۔۔۔ اور ہم سب کو متحد کر۔۔۔ آمین"۔ (محمد اعجاز خان، جام شورو)

جہاں قالین وہیں صفائی

سنو وھائٹ

ڈرائی کلیننگ انڈسٹری، کراچی

ہیڈ آفس :

عبداللہ ہارون روڈ فون : ۵۱۱۷۱۱

شاخیں :

○ بہادر آباد فون : ۴۱۳۶۹۵	○ ڈیفنس فیز V فون : ۵۲۶۵۳۹
○ جمشید روڈ " ۴۱۱۳۰۲	○ امیر خسرو روڈ " ۴۱۳۶۹۵
○ کھارادر " ۲۲۵۸۰۳	○ راشد منہاس روڈ " ۴۱۱۳۰۲
○ گارڈن روڈ " ۷۲۲۴۳۳	○ حسن اسکوائر " ۵۲۶۵۳۹
○ برنس روڈ ۲۰۲۳۳۶	

سنو وھائٹ

ڈرائی کلیننگ انڈسٹری

ہیڈ آفس : عبداللہ ہارون روڈ۔ کراچی فون ۵۱۱۷۱۱ ۵۲۶۵۳۹

زونل آفس : صدر بازار۔ راولپنڈی فون ۶۷۹۸۸ ۶۳۲۵۰

کھٹے میٹھے

انعامی لطیفہ

ایک عورت اور اُس کی بچّی بس میں سفر کر رہی تھیں بچّی آئس کریم کھا رہی تھی۔ بس میں جب بھی جھٹکا لگتا تو آئس کریم سامنے بیٹھے ہوئے آدمی کے کوٹ کو لگتی۔ اس پر عورت نے بچّی کو سمجھایا: "بیٹے سنبھل کر بیٹھ جاؤ یہ کوٹ مسلسل تمہاری آئس کریم خراب کر رہا ہے۔"

عباد علی سحر ناز - ملتان روڈ لاہور

انٹرویو کے دوران اُمیدوار سے پوچھا گیا۔

"بلّی دُم کیوں ہلاتی ہے؟"

"اس لیے کہ دُم بلّی کو نہیں ہلا سکتی۔" امیدوار نے بڑے اطمینان سے جواب دیا۔

محمد راحیل عبید - کراچی

ایک شخص نے اپنے کنجوس دوست کو نصیحت کی "خدا کے لیے اپنے عہدہ کا خیال کرو۔ یہ دولت کس دن کام آئے گی۔ چار آدمیوں میں بیٹھنے کے لیے تمہیں صاف ستھرے اور قیمتی کپڑے پہننے چاہئیں۔ اپنے باپ دادا کو یاد کرو۔ وہ کیسا ٹھاٹھ کا لباس پہنتے تھے۔"

کنجوس (منہ بسور کر) "کیا تمہیں نظر نہیں آتا، میں نے اُنہی کے کپڑے پہن رکھے ہیں۔"

سید منیر حسین - عارف والا

ایک عورت اپنے بچّے کے ساتھ بس میں سفر کر رہی تھی۔ کنڈکٹر نے بچّے کا ٹکٹ مانگا تو عورت نے کہا "اس کی عمر چار سال ہے۔ اس کا ٹکٹ نہیں ہوگا۔"

تھوڑی دیر کے بعد کنڈکٹر بچّے کے پاس آیا اور بولا "بیٹے! آپ کی عمر کتنی ہے؟"

بچے نے مسکرا کر کہا "چار سال"

"اور تم پانچ سال کے کب ہو گے؟" کنڈکٹر نے پوچھا

"جب میں اس بس سے اُتر جاؤں گا" بچے نے فوراً جواب دیا۔

خالد فاروق جمالی - لاہور

دو آدمی ٹرین میں آمنے سامنے کی سیٹوں پر بیٹھے سفر کر رہے تھے۔ ٹرین چلنے کے تھوڑی دیر بعد ایک آدمی دوسرے سے مخاطب ہوا۔

پہلا آدمی: "میں بچپن سے ہی کم سُنتا ہوں، مگر لگتا ہے کہ آج تو میں بہرہ ہی ہو گیا ہوں۔"

دوسرا آدمی: "وہ کیسے جناب؟"

پہلا آدمی: "دیکھیے نا آپ اتنی دیر سے مجھ سے باتیں کیے جا رہے ہیں اور میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا ہے"

دوسرا آدمی: "مگر میں آپ سے باتیں تو نہیں کر رہا میں تو چیونگم کھا رہا ہوں۔"

شازیہ کریم - مردان

ایک نئے قیدی نے اپنے ساتھی کو بتایا: "میں چوری کے جرم میں پکڑا گیا ہوں، ویسے خطا میری ہی تھی"

دوسرے قیدی نے پوچھا: "وہ کیسے؟"

نئے قیدی نے کہا: "میں نے اس کوٹھی کے کتے سے دوستی کرنے پر پورا ایک مہینہ لگا دیا، مگر چوری کی رات میرا پاؤں کوٹھی کی بلّی پر جا پڑا۔"

امداد اللہ قریشی - جیوانی مکران

ماں (بیٹے سے) "تمہارے چچا کا خط آیا تھا تم نے جواب نہیں دیا۔"

بیٹا: "آپ خود ہی تو کہتی ہیں۔ بڑوں کو جواب نہیں دیتے۔۔۔"

ندیم مشتیر - راولپنڈی

ایک لڑکا بیمار تھا اُس کی ماں اُسے دوائی دینا چاہتی تھی لیکن لڑکا دوائی کھانے کے لیے تیار نہیں ہوتا تھا۔ آخر ماں کو ایک ترکیب سُوجھی اُس نے گولی کو گلاب جامن میں بند کر کے لڑکے کو دے دی۔ لڑکے نے گلاب جامن کھا کر ماں سے کہا: "امی میں نے گلاب جامن کھا کر بیج باہر پھینک دیا ہے۔"

مشاہ زیب عالم - کراچی

امریکہ کے ایک بینک میں داخل ہو کر ایک ڈاکو نے کیشیئر کو ایک پرچی دی جس پر لکھا ہُوا تھا "۵۰ ہزار ڈالر

فوراً مجھے دو۔ اگر شور مچایا تو گولی مار دوں گا۔"

جواب میں کیشیئر نے ایک پرچی پر کچھ لکھا اور ڈاکو کی طرف بڑھا دیا۔ ڈاکو نے پرچی لی لکھا تھا "اپنی ٹائی کی گرہ صحیح کرلو۔ تمہاری تصویریں اُتاری جارہی ہیں۔"

جاوید اختر انصاری۔ کراچی

تین لڑکوں کو عدالت میں پیش کیا گیا۔ جج نے بالترتیب اُن کے بیانات اس طرح قلمبند کیے۔

پہلا لڑکا "میں نے پانی میں غوطہ لگایا چوزے کو ڈبکیاں دیں، تیر کر باہر نکلا، لڑکوں کو مارا، دکانوں کے شیشے توڑے۔"

دوسرا لڑکا۔ میں نے غوطہ لگایا۔ چوزے کو ڈبکیاں دیں، تیر کر باہر نکلا، لڑکوں کو مارا، دکانوں کے شیشے توڑے۔"

تیسرا لڑکا "میں نے غوطہ لگایا، تیر کر باہر نکلا۔ لڑکوں کو مارا، دکانوں کے شیشے توڑے۔"

جج "حیرت ہے تم نے چوزے کو ڈبکیاں نہیں دیں۔"

لڑکا (بڑی معصومیت سے) "چوزہ تو میں خود ہوں۔"

عبدالرؤف بلوچ۔ کوئٹہ

جج (ملزم سے) "تم نے اس کا ہاتھ کیوں جلایا؟"

ملزم "جناب میں اس سے نوکری مانگنے گیا تو اس نے مجھ سے کہا کہ میرا ہاتھ گرم کرو۔ سو میں نے اس کے ہاتھ میں جلتا ہوا سگریٹ رکھ دیا۔"

عبدالستار - مقام نامعلوم

ایک آدمی یہ آواز لگاتے ہوئے اخبار فروخت کر رہا تھا...

"آج کا تازہ اخبار... ایک شخص نے کھڑے کھڑے اٹھارہ آدمیوں کو لوٹ لیا... حیرت انگیز خبر آج کا تازہ اخبار..."

ایک صاحب کو بہت تجسس ہوا انھوں نے فوراً اخبار خریدا لیکن اخبار میں اس قسم کی کوئی خبر نہ تھی۔ اُس نے جھلا کر اُس آدمی کی طرف دیکھا۔ وہ آدمی اس وقت یہ آواز لگا رہا تھا۔ "آج کا تازہ اخبار ایک شخص نے کھڑے کھڑے اُنیس آدمیوں کو لوٹ لیا۔"

محمد مشتاق۔ لاہور

کرائے دار نے مالک مکان سے کہا: "یہ چھت بنوا کر دیں یہ ٹوٹی ہوئی ہے۔"

مالک مکان: "آپ کو یہ احساس کب ہوا کہ چھت ٹوٹی ہوئی ہے"

کرایہ دار: "کل جب بارش ہو رہی تھی۔ میں چھت کے نیچے ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھا سوپ پی رہا تھا تو سوپ ختم ہونے میں تین گھنٹے لگے"

عبدالرحمٰن ناگوری۔ جھڈو

عدنان: "سلیم کیا کر رہے ہو؟"

سلیم: "اقبال کو خط لکھ رہا ہوں۔"

عدنان: "مگر تمہیں تو لکھنا نہیں آتا۔"

سلیم: "تو اُسے کون سا پڑھنا آتا ہے۔"

ہدایت علی قائم خانی۔ جھڈو

ایک ڈاکٹر جو خالی اوقات میں بچوں کو دینی تعلیم بھی دیا کرتا تھا ایک دن اُس نے دورانِ تعلیم ایک بچے سے پوچھا: "بیٹے! جنت میں جانے کے لیے کون سا کام سب سے ضروری ہے جو ہمیں کرنا چاہیے۔" ایک بچے نے فوراً جواب دیا: "ہمیں مرجانا چاہیے۔"

تمہاری بات کسی حد تک درست ہے۔" ڈاکٹر بولا "مگر بیٹا ایک کام ایسا بھی ہے جو ہمیں مرنے سے پہلے کرنا پڑتا ہے۔ شاباش ذرا ذہن پر زور دو اور سوچ کر بتاؤ کہ مرنے سے پہلے کیا کرنا چاہیے۔؟"

تھوڑی دیر توقف کے بعد بچے نے جواب دیا۔ "جناب! مرنے سے پہلے ہمیں بیمار بن کر ڈاکٹر کے پاس جانا چاہیے۔"

حامد علی شاہد۔ لاڑکانہ

ذہانت اور معلومات کا منفرد ماہانہ مقابلہ

جستجو شرط ہے

اسامہ بن سلیم

آپ اپنے جوابات اس طرح ارسال کریں کہ وہ
ہمیں ہر ماہ کی پندرہ تک موصول ہو جایا کریں

"جستجو شرط ہے" کے پہلے مقابلے میں لاتعداد ساتھیوں کی شرکت سے ہماری حیرت اور خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ ہمیں اندازہ نہ تھا کہ اس نئے طرز کے مقابلے کو اتنی پذیرائی ملے گی... اللہ کا شکر ہے کہ یہ مقابلہ آپ کو پسند آیا۔

خوشی کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ ہمارے ساتھی توقع سے زیادہ ذہین ثابت ہوئے اور اکثر ساتھیوں نے درست جوابات ارسال کیے۔ بہت سے ساتھیوں نے عجلت سے کام لیا اور شرکت کے طریقہ کو بغور نہیں پڑھا۔ اس لیے اُن کے اکثر جوابات بھی غلط ہو گئے۔ آئندہ ماہ ہم نتائج کا اعلان بھی کر دیں گے اور آپ سب کے نام بھی شائع کریں گے۔ آیئے ---اپنی نوعیت کے اس منفرد مقابلے میں شرکت کا طریقہ ایک بار پھر جان لیں۔

- ذیل میں دس سوالات دیے جا رہے ہیں۔ جن کا جواب بھی اُن کے ساتھ دیے گئے الفاظ میں کہیں موجود ہے۔ ہر لفظ میں ایک حرف پوشیدہ ہے۔ تمام الفاظ سے ایک ایک حرف منتخب کر کے آپ مطلوبہ جواب حاصل کر سکتے ہیں مگر وہ حروف کون سے ہیں جو آپ کو آپ کا جواب فراہم کرتے ہیں۔ انہی حروف کی تلاش آپ کا اصل امتحان ہے۔
- آپ کی آسانی کے لیے ہم نے ہر سوال کے ساتھ اشارے کے طور سے شعر کا ایک ایسا مصرعہ بھی لکھ دیا ہے جو جواب کی تلاش میں آپ کا مددگار ہو سکتا ہے۔
- تمام سوالات کے جوابات علیحدہ کاغذ پر صاف اور خوشخط لکھ کر ہمیں بھجوا دیں۔ اپنا نام اور پتہ لکھنا نہ بھولیں، تمام جوابات درست ہونے کی صورت میں ہم آپ کے نام ایک ماہ کی اشاعت کے فرق کے ساتھ شائع کر دیں گے اور بذریعہ قرعہ اندازی تین خوبصورت انعامات بھی دیں گے جو کتب کی صورت میں ہوں گے۔

آپ اپنے جوابات اس طرح ارسال کریں کہ وہ ہمیں ماہِ رواں کی آخری تاریخ تک مل جایا کریں۔

سوالات:-

۱- یہ فریضہ بھی ہے اور سعادت بھی... اسے مقاماتِ مقدسہ کی مدد سے تلاش کریں۔

۱۔ حدیبیہ ۲۔ جنت البقیع،

اشارہ۔ یہ بڑے کرم کے ہیں فیصلے یہ بڑے نصیب کی بات ہے۔

۲- ایک ملک انہی جزائر میں کہیں موجود ہے... ذراسی توجہ سے اسے تلاش کیا جاسکتا ہے۔

۱۔ اوساکا ۲۔ گرین لینڈ ۳۔ ہوائی ۴۔ مالدیپ ۵ انڈامان ۶۔ مڈغاسکر ۷۔ بہاماس

اشارہ۔ گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے۔

۳- ہماری بحریہ کا ایک جہاز ان بندرگاہوں کے آس پاس ہے۔ ہر بندرگاہ سے ایک حرف چُنیئے اور جہاز کا نام بتائیے۔

۱۔ برسٹل ۲۔ اسٹاک ہوم ۳۔ بمبئی ۴۔ پورٹ سعید

اشارہ:- کہ عالم دوبارہ نیست

۴- "سیّاح" کو سفر ناموں سے ایک نسبت ہے۔ تو پھر اس مشہور سیاح کو سفرناموں میں تلاش کیجیے۔

۱۔ نکلے تری تلاش میں (مستنصر حسین تارڑ) ۲۔ تماشہ میرے آگے (جمیل الدین عالی) ۳۔ سفر نصیب (مختار مسعود) ۴۔ دھنک پر قدم (اختر ریاض الدین) ۵۔ اپنی گلیوں میں اجنبی (مستنصر حسین تارڑ) ۶۔ پیرس ستر کلومیٹر (اختر ممونکا) ۷۔ خانہ بدوش (مستنصر حسین تارڑ) ۸۔ دنیا گول ہے (ابنِ انشاء) ۹۔ ابنِ بطوطہ کے تعاقب میں (ابنِ انشاء)

اشارہ:- چلتے ہو تو چین کو چلیے۔

۵- دریا اور ندی نالے جو بلندی سے نشیب کی طرف گریں تو آبشار کہلاتے ہیں۔ ہمیں بھی ایک آبشار کی تلاش ہے۔ دریاؤں کے تُند دھاروں میں آبشار کو تلاش کیجیے۔

۱۔ ایمزان ۲۔ مسیسپی ۳۔ پدما ۴۔ گنگا ۵۔ رائن ۶۔ یانگسی

اشارہ:- نیا ہے شہسوار یہ، گرا بھی تو ملال کیا

۶- مُوجد کا نام ایجادات میں تلاش کریں۔

۱۔ راکٹ ۲۔ کمپیوٹر ۳۔ ڈائنمو ۴۔ میزائل ۵۔ اسکینر ۶۔ گراموفون۔

اشارہ:- کچھ اس طرح مگن ہیں، سُنتے نہیں کسی کی ...

۷- ایک قبرستان قدیم آثاروں میں موجود ہے۔ قبرستان کا نام بتائیے۔

۱۔ موئن جو دڑو ۲۔ کاڈیجو دڑو ۳۔ ٹیکسلا ۴۔ وادیٔ سُون سکیسر
اشارہ۔ شہر اُن کے مٹ گئے۔ آبادیاں بَن ہو گئیں۔

۸۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جسم کی توانائی کا ماحصل مختلف غذائیں ہیں۔ ان غذاؤں میں کون سی قوت پوشیدہ ہے؟ جلدی سے بتایئے۔
۱۔ پالک ۲۔ پنیر ۳۔ گوشت ۴۔ ٹماٹر ۵۔ سیب ۶۔ مکھن
اشارہ:۔ یہ نہ ہو ہم بھی نہ ہوں قوت پیہم بھی نہ ہو۔

۹۔ اس ملک کو دوسرے ملکوں میں تلاش کرنا زیادہ آسان ہے۔
۱۔ مشرقی جرمنی ۲۔ پولینڈ ۳۔ افغانستان
اشارہ:۔ وسعتوں کا بھرم نہیں کھلتا۔

۱۰۔ بچّوں کے ایک رسالے کا نام، بچّوں کے رسائل ہی میں تلاش کریں (ضروری نہیں کہ یہ رسالہ آج کل بھی معروف ہو)
۱۔ بچّوں کی دنیا۔ ۲۔ آنکھ مچولی ۳۔ پھول ۴۔ نور ۵۔ غنچہ ۶۔ پھلواری
اشارہ:۔ یہ بچّوں کے بہلاوے ہیں۔ کوئی ایسی ویسی چیز نہیں۔

جوابات سوال در سوال دسمبر ۸۸ء

۱۔ سابق صدر جنرل محمد ضیاء الحق حادثے کے وقت جس طیارے میں سوار تھے اس کا نام ہرکولیس ۱۳۰۔ c تھا۔

۲۔ ری پبلیکن اور ڈیموکریٹک امریکہ کی دو مشہور اور سب سے بڑی سیاسی جماعتیں ہیں۔

۳۔ اسپین میں وفات پانے والے مشہور مہم جو اور ملّاح کا نام کرسٹوفر کولمبس تھا۔

۴۔ دنیا کی سب سے چھوٹی (مذہبی) ریاست ویٹیکن سٹی اسٹیٹ اٹلی کے دارالحکومت روم میں ہے۔

۵۔ مارسیلز، لیومس، طولوس اور نیپس فرانس کے مشہور شہر ہیں۔

۶۔ سینٹ ہیلینا جزیرے میں وفات پانے اور ایلبا جزیرے میں قید ہونے والے مشہور مغربی فاتح کا نام نپولین تھا۔

۷۔ ۶ راکتوبر ۱۹۸۱ء کو فوجی پریڈ دیکھتے ہوئے مصر کے صدر انورالسادات پر جان لیوا قاتلانہ حملہ ہوا۔

۸۔ ایران کی سابق خفیہ تنظیم "ساوک" کی بنیاد ایران کے سابق شہنشاہ محمد رضا شاہ پہلوی نے رکھی ...

۹۔ فارسی کے مشہور شاعر فلسفی منجم اور ریاضی کے عالم حکیم ابوالفتح عمر خیام کا تعلق ایران سے تھا۔

۱۰۔ حکایات اور فارسی شاعری کے حوالے سے شہرت پانے والے ایرانی شاعر شرف الدین اپنے اصل نام کے بجائے شیخ سعدی کے نام سے معروف ہوئے۔

سوالات کا باہمی تعلق

۱/۲ دنیا کا سب سے بڑا جہاز سی ۱۳۰ ہرکولیس امریکہ میں تیار ہوا۔

۲/۳ کولمبس نے امریکہ دریافت کیا۔

۳/۴ کولمبس اٹلی کا رہنے والا تھا۔

۴/۵ اٹلی اور فرانس دونوں مغربی ملک ہیں اور ان کی سرحدیں آپس میں ملتی ہیں۔

۵/۶ نپولین فرانس کا بادشاہ تھا۔

۶/۷ نپولین نے مصر پر حملہ کیا تھا۔

۷/۸ انور سادات کی بیٹی اور رضا شاہ پہلوی کے بیٹے کی آپس میں شادی ہوئی۔ رضا شاہ کا مزار مصر میں ہے۔

۸/۹ رضا شاہ پہلوی ایران کے شہنشاہ۔

۹/۱۰ شیخ سعدیؒ ایران میں پیدا ہوئے۔

انعام حاصل کرنے والے تین خوش نصیب ساتھی

۱۔ محمد ذیشان عرف نومی۔ ٹنڈو آدم ۲۔ معراج سعادت۔ لطیف آباد۔ حیدرآباد۔ ۳۔ عمران رضوی۔ انچولی سوسائٹی کراچی۔

درست جوابات ارسال کرنے والے ساتھیوں کے نام

اختر رسول۔ شیخوپورہ
حسن مہدی خراسانی، انچولی، کراچی
تجمل الیاس۔ سمن آباد۔ لاہور
گلزار علی۔ بزنس روڈ۔ کراچی
محمد ہارون۔ ٹنڈو آدم
محمد عدنان۔ اورنگی ٹاؤن۔ کراچی
سید آفتاب۔ شام روڈ۔ پشاور
سید اعجاز احمد۔ ٹنڈو جام
لبنیٰ شیریں معراج۔ ملیر ہالٹ، کراچی
ذوالفقار حیدر۔ سبھورو
محمد امین سیف الملوک سانگھڑ
صدف موسیٰ۔ میٹھا در۔ کراچی
نوید اے۔ نسیم، کھارادر۔ کراچی
محمد اکرم سیالوی۔ ننکانہ صاحب
صداقت زمان۔ ہری پور ہزارہ
سحر آشی۔ لورالائی
ساجد جمیل۔ لانڈھی، کراچی
ممیر افلاک ناز دستگیر سوسائٹی۔ کراچی
محمد ارشد خان۔ چارسدہ
شوکت صدرالدین۔ گارڈن ایسٹ کراچی
غلام مرتضےٰ۔ گاڑی کھاتہ۔ حیدرآباد
محمد رفیق۔ گرومندر، کراچی
سفیان حفیظ علامہ اقبال ٹاؤن، لاہور
شارق شمیم۔ آگرہ تاج کالونی، کراچی
غلام حسین میمن۔ کھائی روڈ۔ حیدرآباد
عباد علی سحر ناز۔ چوہنگ لاہور
فیصل احمد عباسی۔ جھنگ صدر

ایک غلط جواب ارسال کرنے والے ساتھیوں کے نام

خاور جاوید۔ واہ کینٹ
ریحانہ۔ بادامی باغ۔ لاہور
اخلاق احمد عباسی۔ دادو
مزمل احمد۔ شاہی بازار۔ سکھر
سہیل احمد۔ گلشن اقبال۔ کراچی
شمائلہ خان۔ لطیف آباد، حیدرآباد
آصف کریم سی پی برار سوسائٹی کراچی
محمد مرتضےٰ خان۔ نشتر روڈ۔ ملتان
عدیل رضا۔ سمن آباد۔ کراچی
علی پرویز۔ اسلام آباد
ذیشان احمد ذکریا۔ سرگودھا
محمد اویس خان۔ دستگیر۔ کراچی
حبیب تبسم۔ خیرپور میرس

سینکڑوں معصوم بچّے

نسیم سحر اکبر آبادی

سڑک کے دونوں جانب
سینکڑوں معصوم بچّے
کھڑے ہیں چلچلاتی دھوپ میں
ہاتھوں میں تھامے جھنڈیوں اور پرچموں کو
لبوں پر پیاس کی شدّت سے پپڑی کی تہیں جمنے لگی ہیں
غضب کی بھوک سے آنکھوں میں تارے ناچتے ہیں
مسلسل بولنے سے ہر زباں شل ہو چکی ہے
مگر ان کو کھڑے رہنا ہے، استقبال کرنا ہے
بڑے لوگوں کو خوش کرنے کی خاطر زور سے نعرے لگانے ہیں
بڑے جب آئیں گے اس سمت تو ان سب کو دیکھیں گے
نظر بھر کر
اور اُس کے بعد ہاتھوں کو ہلاتے چند لمحوں میں
گزر جائیں گے ان کے پاس سے اور یہ
کہیں گے اپنے گھر جا کر
بڑے ہی فخر سے
"معلوم ہے امّی!
وہ میرے پاس سے گزرے تھے، میں نے اُن کو دیکھا تھا۔"

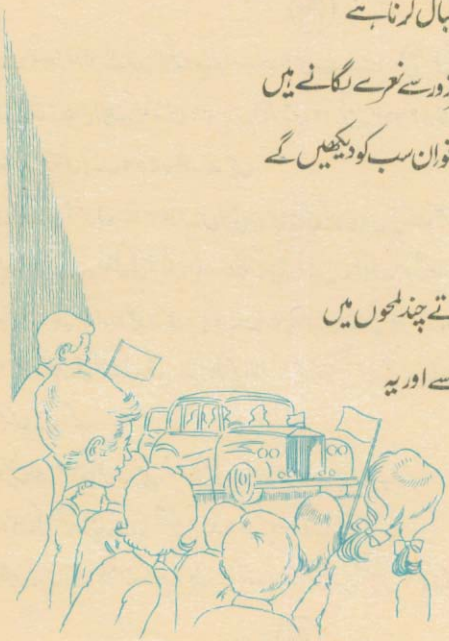

گنی چُنی معلومات

اعداد کا ہماری زندگی سے گہرا تعلق ہے۔ دُنیا کی اہم شخصیات ہوں یا بڑے بڑے واقعات ان سب کا تعلق کسی نہ کسی طرح اعداد سے ضرور بنتا ہے۔ اعداد کے حوالے سے دُنیا بھر کی اہم معلومات پر مبنی یہ سلسلہ ہم ہر ماہ آپ کی دلچسپی اور معلومات میں اضافے کے لیے پیش کرتے ہیں صفر سے شروع ہونے والا یہ سلسلہ دیکھیے کہاں تک جاتا ہے۔

(۴۶)

- دنیا کے ۴۶ فیصد افراد کے خون کا گروپ او ہے۔ اسی لیے اسے انٹرنیشنل گروپ بھی کہا جاتا ہے۔
- امریکہ کے صدر جان ایف کینیڈی ۴۶ برس کی عمر میں ۲۲ نومبر ۱۹۶۳ء کو قاتل کی گولیوں کا نشانہ بنے۔
- بربط (آلۂ موسیقی) میں ۴۶ تار ہوتے ہیں۔
- پیری کیوری جنہوں نے ۱۹۰۳ء میں اپنی بیوی میری کیوری کی معیت میں کیمیا کا نوبل انعام حاصل کیا تھا تین برس بعد صرف ۴۶ سال کی عمر میں ایک روڈ ایکسیڈنٹ میں ہلاک ہو گئے تھے۔
- علّامہ اقبالؒ کا پہلا اردو مجموعہ کلام بانگِ درا ۱۹۲۴ء میں شائع ہوا۔ اس وقت ان کی عمر ۴۶ برس تھی۔
- اگر ۲۶ ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے سفر کیا جائے تو نظامِ شمسی کے بعید ترین سیّارے پلوٹو تک پہنچنے میں ۴۶ برس لگیں گے۔
- بنگلہ دیش اور سعودی عرب میں خواتین کی اوسط عمر ۴۶ برس ہے۔
- قدیم یونان کی مشہور عمارت پارتھنین میں ۴۶ ستون تھے۔
- لیزلی چیرٹیرس نے سائمن ٹیمپلر (دی سینٹ) کے کردار پر مشتمل ۴۶ کتابیں تحریر کی تھیں۔

(۴۷)

- مچھر کے منہ میں ۴۷ دانت ہوتے ہیں۔

○ پاکستان کی جانب سے ٹیسٹ کرکٹ کھیلنے والے معمر ترین کھلاڑی میران بخش تھے۔ انہوں نے اپنا پہلا ٹیسٹ ۴۷ سال ۲۸۴ دن کی عمر میں کھیلا تھا۔

○ بحیرۂ مردار کی لمبائی ۴۷ برس تھی۔

○ بابر اور ہمایوں، دونوں کا انتقال ۴۷ برس کی عمر میں ہُوا۔

○ ۱۸۶۷ء سے ۱۹۱۴ء تک یعنی ۴۷ برس تک مصر کے حکمران خدیو کہلاتے رہے۔

○ شیر شاہ سوری نے اپنی سلطنت کو ۴۷ صوبوں میں تقسیم کر دیا تھا۔

○ کرکٹ کے ۴۷ قوانین ہیں۔

○ ۴۷ مربع میل رقبے پر آباد سان فرانسسکو میں ۱۸ اپریل ۱۹۰۶ء کو ایک شدید زلزلہ آیا۔ جو ۴۷ سیکنڈ تک جاری رہا۔ اس زلزلے میں پانچ سو افراد ہلاک اور ہزاروں افراد بے گھر ہوئے۔

○ دنیا میں اسکیموز کی آبادی تقریباً ۴۷ ہزار ہے۔

○ جارج برنارڈ شا نے اپنی زندگی میں ۴۷ ڈرامے تحریر کیے تھے۔

(۴۸)

○ دیہہ مندرو پاکستان کا پہلا ارضی مواصلاتی مرکز ہے۔ یہ کراچی سے ۴۸ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔

○ انسانی بال کی چوڑائی ۱/۴۸ انچ ہوتی ہے۔

○ ٹیپو سلطان نے جب ۴ مئی ۱۷۹۹ء کو جامِ شہادت نوش کیا تو اُن کی عمر ۴۸ برس تھی۔

○ امریکہ میں شامل ہونے والی ۴۸ ویں ریاست اری زونا تھی۔

○ کنگ جیلیٹ نے سیفٹی ریزر ۴۸ برس کی عمر میں ایجاد کیا تھا۔

○ ٹوکیو (جاپان) میں ۴۸ ہزار فیکٹریاں ہیں۔

○ ہیرالڈ ولسن جب ۱۹۶۴ء میں پہلی مرتبہ برطانیہ کے وزیر اعظم بنے تو ان کی عمر ۴۸ برس تھی۔

○ دنیا کی پہلی خاتون خلا باز ویلینتینا تریشکووا نے اپنے جہاز ووسٹوک ول میں زمین کے گرد ۴۸ چکّر لگائے تھے۔

○ برما، گوئٹے مالا، یوگینڈا اور زائر میں مردوں کی اور لیسوتھو میں عورتوں کی اوسط عمر ۴۸ برس ہے۔

○ شہزادہ علی خان کی وفات ۱۹۶۰ء میں ۴۸ برس کی عمر میں ہوئی۔

(۴۹)

○ PARALLEL 49Th امریکہ اور کینیڈا کو جُدا کرتا ہے۔

- ٹیسٹ کیریئر کا آغاز کرنے والے دُنیا کے معمّر ترین کھلاڑی انگلستان کے جے ساؤتھ تھن تھے۔ انہوں نے اپنا پہلا ٹیسٹ میچ ۴۹ سال ۱۱۹ دن کی عمر میں کھیلا تھا۔
- ہندوستان کی قدیم زبان سنسکرت میں ۴۹ حروفِ تہجی ہیں۔
- دولتِ مشترکہ میں ۴۹ آزاد ممالک شامل ہیں۔
- گرین لینڈ ڈنمارک کا حصّہ ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ وہ بلحاظ رقبہ بقیہ ڈنمارک سے ۴۹ گُنا بڑا ہے۔
- دوسری عالمی جنگ میں اتحادیوں کی جانب سے ۴۹ ممالک نے جنگ میں حصّہ لیا تھا۔ ان کے مقابلے میں محوری ممالک کی تعداد صرف ۱۱ تھی۔
- فیض احمد فیض کو ۱۹۶۲ء میں ادب کے لینن امن انعام سے نوازا گیا۔ اس وقت ان کی عمر ۴۹ برس تھی۔
- اکبرِ اعظم نے ہندوستان پر ۴۹ برس حکومت کی تھی۔
- ۲ فروری ۱۹۴۷ء سے ۲۷ اپریل ۱۹۵۶ء کے درمیان عالمی ہیوی ویٹ باکسنگ چیمپئن روکی مارسیانو نے ۴۹ مقابلوں میں حصّہ لیا اور کسی میں شکست نہیں کھائی۔
- برطانیہ میں باضابطہ یونیورسٹیوں کی تعداد ۴۹ ہے۔

۵۰

- سان فرانسسکو کانفرنس جس میں اقوامِ متحدہ کا قیام عمل میں آیا، ۵۰ ممالک شریک ہوئے تھے۔
- ڈبلیو جی گریس نے جب اپنا آخری ٹیسٹ میچ کھیلا تو اُن کی عمر ۵۰ سال ۳۲۰ دن تھی۔
- ۴ جولائی ۱۸۲۶ء کو امریکہ کے دو صدر جان ایڈمز اور تھامس جیفرسن فوت ہوئے۔ اس دن امریکہ کے قیام کی ۵۰ ویں سالگرہ منائی جارہی تھی۔
- چار برطانوی حکمرانوں نے اپنی حکومت کی گولڈن جوبلی منائی۔ وہ حکمران تھے ہنری سوئم، ایڈورڈ سوئم، جارج سوئم اور ملکہ وکٹوریہ۔
- چارلس ڈارون نے جب ۲۴ نومبر ۱۸۵۹ء کو اپنی کتاب اصل انواع شائع کی تو اس کی عمر ۵۰ برس تھی۔
- ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی پچاسویں ریاست ہوائی ہے۔
- ایک چیونٹی اپنے وزن سے پچاس گُنا زیادہ وزن اُٹھا سکتی ہے۔
- ولیم روجن نے جب ایکس ریز دریافت کیں تو ان کی عمر ۵۰ برس تھی۔
- بیلی کے دُم دار ستارے کی رفتار روشنی کی رفتار کی بہ نسبت ۵۰ گُنا زیادہ ہے۔

کالو فقیر

فرحت صفدر فرح

آج پھر موسم بہت اچھا ہے یار! اسکول جاکر کیا کریں گے کیا خیال ہے چلیں نہر کی طرف، خرم نے اپنے دوستوں، شہزاد، جنید اور ہمایوں کو تجویز پیش کی۔

بالکل ٹھیک ہے یار بھلا ایسے موسم میں پڑھائی میں خاک دل لگتا ہے جنید نے اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔ لیکن کل بھی تو تم لوگوں نے یہی کہا تھا اور گھومنے نکل گئے تھے، شہزاد نے جھجکتے ہوئے کہا۔

کل بھی تو ایسا ہی موسم تھا نا یار، خرم نے قہقہہ لگاتے ہوئے جواب دیا۔ اگر روز یونہی بادل اُمڈے ہوں۔ ہوا چل رہی ہو تو۔ اسکول سے چھٹی کرو گے؟ یہی سمجھ لو۔ لیکن اب ہر روز ہی تو ایسا موسم نہیں ہوگا نا۔ یار! ڈرتے کیوں ہو۔ آج دوسری ہی تو غیر حاضری ہے۔ دو دنوں سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ نام وام کوئی نہیں کاٹے گا۔ خرم نے ہنستے ہوئے تسلی دی۔

کہتے تو تم بھی ٹھیک ہو، شہزاد نے بے فکر ہو کر کندھے اچکائے۔

لیکن یار! ابھی ہفتہ پہلے ہی تو تم لوگوں نے اکٹھی چار غیر حاضریاں کی تھیں اب کی بار ہمایوں نے اپنے خوف کا اظہار

کیا۔

توکیا ہوا کسی کو پتہ بھی نہیں چلا تھا، اب بھی اُسی طرح بہانے گھڑ لیں گے۔ خرم نے پھر سب کی ہمّت بندھائی تو چاروں دوست ہر غم اور خوف سے بے نیاز خوش گپیاں کرتے ہوئے نہر کی جانب مڑ گئے۔

ابھی وہ تھوڑی ہی دور گئے تھے کہ انہیں اپاہج فقیر نظر آیا۔ اس کی ایک ٹانگ گھٹنے تک کٹی ہوئی تھی۔ اور دونوں ہاتھوں کی تین تین انگلیاں بھی غائب تھیں اب وہ بڑی مشکل سے گلے میں کشکول ڈالے بیساکھیوں کے سہارے اپنے آپ کو گھسیٹ رہا تھا، اسے دیکھتے ہی ہمایوں نے خرم کے کہنی ماری۔ لو آگیا تمہارا کچھ لگتا سگتا، سلام دُعا کرلو، مجھے تو اس کی شکل سے بھی ڈر لگتا ہے۔ اتنی دیر میں کالو فقیر ان کے نزدیک آچکا تھا۔ سلام بابا۔ خرم نے اسے اپنی طرف گھورتے دیکھ کر گھبرا کر کہا۔ وعلیکم سلام۔ جیتے رہو۔ جیتے رہو۔ کیوں۔ بچو کدھر گھوم پھر رہے ہو کہیں اسکول سے تو نہیں کھسک لئے؟

نہیں بابا۔ بھلا ہم اسکول سے کیوں کھسکیں گے۔ اسکول ہی تو جا رہے ہیں۔ چاروں نے بیک زبان ہو کر کہا۔

شاباش بچو شاباش ہمیشہ دل لگا کر پڑھو۔ اللہ کامیاب کرے۔

کالو فقیر دعائیں دیتا ہوا چلا گیا۔

شکر ہے کچھ اور نہیں پوچھ بیٹھا میری تو سانس خشک ہوگئی تھی شہزاد بولا۔

ہاں بھئی میرا بھی دم نکلنے لگا تھا۔ کیسے تفتیش کر رہا تھا۔ بھئی خرم یہ ہے کون؟ ہمایوں نے خرم سے پوچھا۔

پتہ تو مجھے بھی نہیں ہے، شاید ابّو کا کوئی جاننے والا ہے۔ ابّو اس سے حال احوال پوچھتے رہتے ہیں۔ مجھے اس نے ابّو کے ساتھ دو تین بار دیکھ لیا تھا، اب جب بھی ملتا ہے دعائیں دیتا ہے۔ چلو چھوڑو یار کن باتوں میں پڑ گئے سامنے دیکھو باغ میں مالی نظر نہیں آرہا اور امرود دیکھو کیسے پکے پکے۔ کتنے میٹھے میٹھے ہونگے ہے نا۔ آؤ پہلے ادھر سے دو دو ہاتھ کرلیں۔ شہزاد نے رائے دی۔ چاروں دبے پاؤں باغ کے اندر جا گھسے اور اپنے بیگ بھرنے لگے۔ دُور سے آتی ہوئی کھانسی کی آواز نے انہیں چونکا دیا اور گرتے پڑتے نکل بھاگے اور نہر کے کنارے پہنچ کر ہی دم لیا۔ کچھ دیر بیٹھ کر اپنی سانس درست کی اور پھر اچھلنے کودنے لگے۔ کھیلتے کودتے۔ ایک دوسرے پر پانی کی چھینٹیں اڑاتے جونہی گھڑی دیکھی تو ڈیڑھ بج رہا تھا۔

ایں!! اب تو چھٹی کا وقت ہوگیا ہے۔ جلدی جلدی بھاگو کہیں کوئی دیکھ نہ لے۔ ہمایوں چلایا۔ چاروں تیزی سے گھر کی جانب بھاگ رہے تھے کہ راستے میں پھر وہی فقیر آتا نظر آیا۔ یہ چاروں اس کے قریب سے تیزی سے نکل جانا چاہتے تھے کہ اس نے انہیں روک لیا۔ گھر جا رہے ہو۔ اسکول سے ہی آرہے ہو نا! ہاں ہاں بابا چاروں نے خوفزدہ ہوکر جواب دیا۔ اور تیزی سے آگے نکل آئے۔ کچھ دور جا کر جو پیچھے مڑ کر دیکھا تو فقیر ابھی تک کھڑا انہیں ہی دیکھ رہا تھا۔

چاروں کی خوف سے جان ہی تو نکل گئی۔ یار یہ ہے کون؟ اپنے لئے تو مصیبت ہی بن گیا ہے، کہیں کوئی بچے پکڑنے والا

ہی نہ ہو۔ تینوں دوستوں نے خرم کو گھیر لیا۔ تم نے تو مجھے بھی ڈرا دیا ہے۔ اب تو میں ابّو سے ضرور پوچھوں گا۔ ہاں یار ضرور پوچھنا کہیں یہ ہمیں غائب ہی نہ کروا دے۔ تینوں دوست خرم کو تاکید کرتے ہوئے اپنے اپنے گھروں کی طرف مڑ گئے۔

یہ چاروں بچے ایک ہی محلّے میں رہتے تھے، سب کی عمریں نو، دس برس کے درمیان تھیں۔ ان کا اسکول گھر سے چند فرلانگ کے فاصلے پر تھا، چاروں اکٹھے آتے جاتے۔ کچھ عرصے سے انہوں نے عجیب سلسلہ شروع کر رکھا تھا۔ جب بھی موسم خوشگوار ہوتا، اسکول کی بجائے کہیں اور ہی گھومنے نکل کھڑے ہوتے۔ کبھی نہر کے آس پاس کھیلتے کبھی باغوں میں اُودھم مچاتے۔ اور کبھی وڈیو گیمز کے لئے نکل جاتے۔ پچھلا ریکارڈ اچھا تھا، اس لئے کسی کو شک بھی نہیں ہوا۔ اور رنگا رنگ بہانے بنا کر استادوں کے سامنے معصوم بن جاتے اور اب تو یہ ان کا روز کا معمول بن گیا لیکن اب جب ان کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی کہ کوئی بوڑھا اور لنگڑا فقیر ان کا پیچھا کر رہا ہے اور کسی وقت بھی ان کو پکڑ سکتا ہے۔ تو خوف کے مارے ان کی جان نکلنے لگی۔

خرم جب گھر میں داخل ہوا تو اس کے دل میں بھی انجانا سا خوف بیٹھا ہوا تھا۔ اُسے بھی ایسے ہی لگ رہا تھا گویا بوڑھا فقیر ان کا پیچھا کر رہا ہے اور موقع لگتے ہی انہیں اٹھا لے جائے گا۔ اس کے ذہن میں ایسی کئی کہانیاں گھومنے لگیں جن میں ننھے مُنّے بچّوں کو اغوا کر لیا جاتا اور ان کے بازو اور ٹانگیں توڑ دی جاتیں۔ یہ خیال ذہن میں آتے ہی وہ بُری طرح خوف زدہ ہو گیا۔ اس روز پورے دن وہ گھر سے باہر نہ نکلا۔ اور اس وقت کا انتظار کرنے لگا۔ جب ابّو فارغ ہوں۔ اور ان سے فقیر کے بارے میں پوچھ سکے۔ خدا حافظ کر کے رات ہوئی۔ اور ابّو کھانا کھا کے اپنے کمرے میں چلے گئے خرم بھی پیچھے پیچھے ہو لیا۔ کیوں خرم بیٹے کوئی خاص بات ہے؟ ابّو نے دیکھتے ہی سوال کیا۔ جی ابّو میں آپ سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ ضرور ضرور بیٹے آؤ بیٹھو ابّو نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

ابّو میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ وہ فقیر کون ہے جو کبھی کبھی راستے میں آپ کو ملا کرتا ہے۔ کیوں بیٹے اس سے کیا دلچسپی پیدا ہو گئی؟ ابّو مجھے اس سے ڈر لگتا ہے ایسے لگتا ہے جیسے وہ بچّوں کو اٹھانے والا ہو۔ میرے دوست بھی یہی کہتے ہیں۔ ابّو! ارے نہیں نہیں خرم بیٹے وہ ایسا آدمی نہیں ہے۔ میں اُسے بچپن سے جانتا ہوں وہ یہیں دو تین گلیوں کے پار رہا کرتا تھا۔ ہم دونوں ایک ہی کلاس میں پڑھا کرتے تھے۔ جی ابّو! کیا واقعی وہ پڑھا کرتا تھا اس کی ایک ٹانگ بھی نہیں اور انگلیاں بھی کٹی ہوئی ہیں۔ پھر وہ کیسے اسکول جاتا تھا ابّو؟

میں تمہیں بتاتا ہوں بیٹے۔ جسے آج کل لوگ کالو فقیر کہتے ہیں اس کا نام اکمل ہے۔ والدین کا اکلوتا بیٹا تھا۔ ماں باپ غریب تھے۔ لیکن اسے پڑھانا چاہتے تھے۔ اور اکمل کھیل کود کا شوقین تھا۔ اکثر اسکول سے غیر حاضر رہتا اور آوارہ دوستوں کے ساتھ کھیلنے نکل جاتا۔ اس طرح ایک دفعہ اس نے اکٹھی کئی غیر حاضریاں کیں اور اسکول سے خارج کر دیا

گیا۔ اب وہ ڈر کے مارے گھر واپس نہیں آیا کہ ماں باپ کو کیا جواب دونگا۔ اور کہیں بھاگ گیا۔ ماں باپ تلاش کرتے رہے۔ ماں تو اس کی جدائی میں ایک مہینہ بھی نہ جی سکی۔ باپ اس کی تلاش میں مارا مارا پھرتا رہا پولیس میں بھی رپٹ درج کرادی۔ تقریباً سال بعد پولیس نے اسے برآمد کر لیا اور وہ اس حال میں کہ اس کی ٹانگ اور ہاتھ کی انگلیاں کٹی ہوئی تھیں اور فٹ پاتھ کے کنارے بھیک مانگ رہا تھا۔ اس نے بتایا کہ وہ یہاں سے بھاگ کر ریلوے اسٹیشن چلا گیا تھا جہاں کچھ ظالم لوگوں کے ہتھے چڑھ گیا۔ وہ بہلا پھسلا کر ساتھ لے گئے کئی دن اسے رسیوں سے باندھے رکھا اور پھر اس کی ٹانگ اور انگلیاں کاٹ دیں۔ تاکہ بھیک منگوا سکیں۔

باپ نے بہت علاج کروایا۔ لیکن اب کیا ہو سکتا تھا۔ اکلوتے بیٹے کو اس حال میں دیکھ کر روتا رہتا۔ اس غم میں چند سال بعد انتقال کر گیا۔ پھر چچا نے اسے گھر سے نکال کر فٹ پاتھ پر بٹھا دیا۔ بس اس دن کو روتا ہے جب اسکول سے غیر حاضر ہونا شروع ہوا۔

یہ سنتے ہی خرم کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں مسل دیا۔ وہ سوچنے لگا اسی لئے بابا ہر وقت اسکول کے بارے میں ہی سوال کرتا رہتا ہے.... اور اگر..... اگر بابا کو ہماری اسکول سے غیر حاضریوں کا پتہ چل جاتا تو ابو کو تو وہ ضرور ہی بتا دیتا۔ خوف کی ایک سرد لہر خرم کے سارے بدن میں دوڑ گئی۔ ساری رات وہ سوچتا رہا۔ پچھلے چھ سات مہینوں سے اب تک ملا کر جانے کتنی غیر حاضریاں ہو گئی ہیں۔ خدانہ کرے اگر اسکول سے ہمارا نام کٹ گیا ہو تو پھر ہم کیا کریں گے۔ کہاں جائیں گے۔ یہی سوچتے سوچتے جانے کب خرم کی آنکھ لگ گئی۔ اور وہ خواب میں بھی خود کو کالو فقیر کی جگہ دیکھتا رہا۔ اسی طرح بیساکھیوں کے سہارے چلتا ہوا۔ فٹ پاتھ کے کنارے لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتا ہوا۔

دوسرے دن خرم خلاف معمول صبح بہت سویرے بیدار ہوا اور اسکول کی تیاری کرنے لگا۔

اب چاروں دوست اکٹھے اسکول کی جانب روانہ ہوئے آدھے راستے میں پہنچ کر ہمایوں بولا۔ موسم آج بھی اچھا ہے چلو آج کے دن پھر سیر ہو جائے۔

نہیں یار اب نہیں اور اب تو کبھی بھی نہیں۔ خرم بولا پہلے ہی بہت غیر حاضریاں ہو گئی ہیں اگر نام کٹ گیا تو پھر شامت ہی آجائے گی۔ اس خوف سے تو میں ساری رات سو نہیں سکا تینوں نے تعجب سے خرم کی طرف دیکھا یہ آج کیسی باتیں کر رہے ہو تم تو سب سے پہلے پروگرام بناتے ہو۔

میں ٹھیک کہہ رہا ہوں اور جب میں تمہیں وجہ بتاؤں گا تو تم بھی یہی کہو گے یہ کہہ کر خرم ان سب کو کالو فقیر کی کہانی سنانے لگا۔

ننھّی نگارشات

نوخیز قلم کاروں کی مُختصر تحریروں سے اِنتخاب

پاکستان

مہرین فاطمہ گوہر، کراچی

دل سے پیارا جان سے پیارا
پیارا پاکستان ہمارا
پاکستان کے متوالے ہیں
ہم سب اس کے رکھوالے ہیں
آسمان پر قدم رکھیں گے
ہاتھ میں اپنے قلم رکھیں گے
مشکل وقت میں کام کریں گے
سب کچھ اس کے نام کریں گے

سچ کی برکت

عابد اقبال، کھتری پاڑہ ٹنڈو الہ یار

ایک شخص میں تین بُری عادتیں تھیں شراب پینا، چوری کرنا، جھُوٹ بولنا۔ وہ سمجھتا تھا کہ میں ان سب کو تو نہیں چھوڑ سکتا، البتہ ایک عادت چھوڑ سکتا ہوں۔ ایک دن وہ ایک بزرگ کے پاس گیا۔ اور اُسے بتایا کہ مجھ میں تین بُری عادتیں ہیں۔ شراب پینا، جھوٹ بولنا، چوری کرنا۔ ان سب میں کون سی بُری عادت ہے جو میں آسانی سے چھوڑ سکوں۔ بزرگ نے کہا تو جھُوٹ بولنا چھوڑ دے۔ اس شخص نے اُسے بہت آسان سمجھا اور اُسی وقت جھُوٹ بولنے سے توبہ کرلی۔ جب رات ہوئی تو اُس نے سوچا شراب پینی چاہیے اچانک اُسے خیال آیا کہ اگر بزرگ پوچھیں گے رات کیا کیا تو کیا جواب دوں گا جھوٹ بول نہیں سکتا سچ بولوں گا تو بدنام ہوں گا۔ چلو شراب ہی چھوڑ دیتا ہوں۔ تھوڑی دیر بعد پھر اُس نے سوچا چوری کرنی چاہیے، پھر اُسے وہی خیال آیا جھوٹ بول نہیں سکتا سچ بولوں گا تو سزا ملے گی اور مال بھی جائے گا، پھر اُس نے کہا چلو چوری بھی چھوڑ دیتا ہوں۔ جب صبح ہوئی تو وہ بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا اے بزرگ آپ نے مجھ سے ایسی چیز کی توبہ لی ہے کہ جتنی مجھ میں بُری عادتیں تھیں اس سچ کی برکت سے

سب چھوٹ گئی ہیں اور آج سے میں نیک بن گیا ہوں۔"

کاہلی کا انجام

مرسلہ۔ علی شان اظہر، لاہور

ایک مرتبہ میاں نکھٹو کو لکڑیوں کی ضرورت پڑ گئی۔ وہ نہایت کاہل اور نکمے تھے۔ اس لیے فوراً اپنے پڑوسی اسد کے گھر پہنچ گئے اور بولے۔

"بھائی اسد! مہربانی فرما کر مجھے آج کی رات کے لیے کچھ لکڑیاں دے دیں۔" یہ سن کر اسد بولا "ضرور دوں گا مگر پہلے تم مجھے حنیف صاحب سے وہ کیتلی لادو جو انھوں نے کل مجھ سے لی تھی۔" یہ سن کر میاں نکھٹو کو غصہ تو بہت آیا مگر چل پڑے اور تقریباً دس منٹ بعد سردی میں ٹھٹھرتے ہوئے حنیف صاحب کے گھر پہنچ گئے۔

حنیف صاحب اس وقت اسی کیتلی میں چائے بنا کر پی رہے تھے لہٰذا بولے "بھئی نکھٹو! ذرا تم خالہ شاہدہ کے گھر سے ایک سیڑھی تو لے آؤ۔ تاکہ میں اپنا اینٹینا ٹھیک کر سکوں۔ تب تک میں کیتلی دھوتا ہوں" میاں نکھٹو مجبوراً خالہ شاہدہ کے ہاں چلے گئے۔ خالہ شاہدہ ان کو دیکھ کر بہت حیران ہوئیں، جب میاں نکھٹو نے سیڑھی مانگی تو بولیں "وہ تو اسٹور میں ہوگی، جا کر ڈھونڈ لو۔" میاں نکھٹو اسٹور میں پہنچے جو بہت ٹھنڈا تھا۔ سیڑھی گرد میں اٹی ہوئی تھی۔ ان کے کپڑے خراب ہوئے۔

جیسے تیسے وہ سیڑھی لے کر حنیف صاحب کے گھر واپس آئے اور پھر کیتلی لے کر خوش خوش اسد کے گھر گئے۔ مگر یہ کیا؟ گھر کے دروازے پر تالا لگا ہوا تھا اور ساتھ ہی ایک کاغذ دروازے پر چپکا ہوا تھا جس پر یہ لکھا تھا۔

میاں نکھٹو! میں نے کافی دیر آپ کا انتظار کیا مگر مجھے ایک شادی میں جانا تھا۔ کیتلی اپنے پاس رکھو، صبح مجھے دے جانا۔" اسد

اب تو میاں نکھٹو کی حالت بہت خراب ہوئی انھوں نے سوچا "میں چل چل کر تھک گیا، میرے کپڑے خراب ہو گئے اور دوسروں کے اتنے کام کیے مگر کچھ نہ ملا!" وہ اپنے گھر کی طرف بھاگے مگر جلد ہی تھک گئے، آہستہ آہستہ چلتے ہوئے گھر میں داخل ہوئے اور بستر پر گر پڑے۔ انھوں نے عہد کیا کہ آئندہ خود کمائیں گے، ضرورت کی ہر چیز گھر میں مہیا رکھیں گے اور کسی سے کچھ مانگنے نہ جائیں گے۔

اخلاق

مرسلہ۔ اُسید بن زبید۔ ملیر کالونی۔ کراچی

حضرت عائشہ صدیقہؓ سے کسی نے پوچھا کہ حضورِ انورؐ کے اخلاق کیا تھے انھوں نے جواب دیا کہ تم نے قرآن نہیں پڑھا! جو کچھ قرآن میں ہے وہ حضورؐ کے اخلاق تھے یعنی آپؐ کی ساری زندگی قرآن پاک کی عملی تفسیر تھی۔

ہمارے پیارے رسول حضرت محمد مصطفیٰؐ کی

تعریف کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا!
"اے نبیؐ! بے شک آپ حُسنِ اخلاق کے عظیم ترین مقام پر فائز ہیں۔"

یہ تو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبیؐ کی تعریف کی تھی۔ اب ایک غلام کا قصہ سُنیے۔ حضرت زیدؓ کو بچپن میں کچھ ڈاکو اُن کے قبیلے سے چھین کر لے آئے تھے اور بازار میں غلام کی حیثیت سے بیچ دیا تھا۔ امّ المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے بھتیجے نے اُنھیں خرید کر اپنی پھوپھی کی خدمت میں پیش کر دیا تھا اور امّ المؤمنین نے اُنھیں حضورِ اکرمؐ کی خدمت پر مامور کیا تھا۔ حضرت زیدؓ کے والد کو اپنے کم سن بیٹے سے بے انتہا پیار تھا وہ بے تابانہ بیٹے کو ڈھونڈتے پھرتے اور اُن کی جُدائی میں غم انگیز اشعار پڑھتے پھرتے تھے۔ جب اُنہیں معلوم ہوا کہ زید مکّے کے ایک قریشی کے پاس غلام کی حیثیت سے دن گزار رہے ہیں تو وہ اپنے بھائی کے ہمراہ حضورؐ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ آپؐ جو رقم چاہیں لے لیں ہم ہر قیمت پر اپنے بیٹے کو اپنے ساتھ لے جانا چاہتے ہیں۔

حضورؐ نے فرمایا "دیکھو میں زیدؓ کو بلاتا ہوں اگر اس نے آپ لوگوں کے ساتھ گھر جانا چاہا تو میں اُسے بغیر کسی معاوضے کے جانے دوں گا اور اگر یہاں رہنا چاہا تو زبردستی جانے پر مجبور نہیں کروں گا۔"

حضرت زیدؓ آئے۔ رسولِ اکرمؐ نے اُن کے باپ اور چچا کی جانب اشارہ کر کے دریافت فرمایا "انھیں جانتے ہو؟"

حضرت زیدؓ نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ جی ہاں یہ میرے باپ اور چچا ہیں۔ رسول اللہؐ نے جانے نہ جانے کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے آپؐ کے پاس رہنے کو ترجیح دی۔ باپ اور چچا نے سمجھایا کہ بیٹا تجھے کیا ہو گیا ہے۔ اپنے گھر سے دوری اور غلامی کی زندگی کو پسند کر رہا ہے۔ حضرت زیدؓ نے جواب دیا کہ۔

"آپ کو کیا معلوم میرے آقا میں کیا کیا خوبیاں ہیں جب باپ اور چچا نے زیدؓ کو حضورؐ کے حسنِ اخلاق کا اس قدر مداح پایا تو وہ مطمئن ہو کر واپس چلے گئے۔ اس سے بڑھ کر حسنِ اخلاق کی کیا مثال ہو گی کہ ایک آقا کے اخلاق کی وجہ سے غلام غلامی کی زندگی کو آزادی پر ترجیح دے۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مخالفین کو جس ہتھیار سے شکست دے کر اپنا غلام بنا لیا تھا وہ حُسنِ اخلاق ہی تھا۔ اس اخلاق کی تلقین آپؐ نے اپنی اُمّت کو بھی فرمائی۔ آپؐ کا ارشاد ہے کہ۔

"قیامت کے روز مومن کے اعمال میں حُسنِ اخلاق سے زیادہ وزنی کوئی دوسری شے نہ ہو گی۔"

ٹم ٹم اور گیدڑ

مرسلہ۔ جاوید اقبال سھتہ۔ رانی پور

آج بھی حسبِ معمول چوہیا "ٹم ٹم" کو ڈانٹ رہی تھی کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ کون ہے؟ چوہیا

نے روٹی پکاتے ہوئے باورچی خانے سے کہا جی میں ہوں "کشمیری" چوہیا نے جلدی سے دروازہ کھولتے ہوئے کہا آئیے انکل آج کیسے غریب خانے کے گھر آنا ہوا ہے۔ بیٹی بس ایک کام سے آیا ہوں کہ میری بیوی کو سر میں درد ہوا ہے۔ اس لیے تھوڑی سی "کافی" چاہیئے۔ ہاں ضرور۔ جاؤ المادی سے کافی کا ڈبہ لے آؤ۔ چوہیا نے غصے سے "ٹم ٹم" کو کہا۔ بیٹی کیوں اسے روزانہ ڈانٹتی ہو انکل کیا بتاؤں اس ذلیل کے کارنامے۔ روزانہ کوئی نہ کوئی شکایت تو آتی ہے اس کی۔ کل ٹنگ لنگ مرغی کے انڈے توڑ کر آیا ہے تو آج پھر خرگوش کی چارپائی کُتر آیا ہے اور کئی شرارتیں۔ میں تو اس سے تنگ آچکی ہوں۔ بھیا ہرن نے لالو والے کھیت میں نیم کے درخت کے نیچے اسکول کھولا ہے۔ جہاں سارے جنگل کے جانوروں کے بچے پڑھنے جاتے ہیں۔ نہ وہاں پڑھنے جاتا ہے نہ ان شرارتوں سے باز آتا ہے۔ بیٹی جلد ہی سدھر جائے گا ابھی تو بچہ ہے، اچھا میں جا رہا ہوں مجھے دیر ہو رہی ہے۔ ارے انکل چائے تو پی کر جائیں نا۔ نہیں بیٹی بہت بہت شکریہ۔

دوسرے دن "ٹم ٹم" امرود کے درخت سے امرود توڑ کر کھا رہا تھا کہ اچانک شاخ سے نیچے گر گیا۔ چوٹ بہت لگی تھی کہ اُسی لمحے ایک نے اُسے پکڑ لیا۔ ٹم ٹم تو بہت گھبرا گئے اور دل ہی دل میں

کہنے لگے ابھی درخت سے گرا ہوں اس کا ہی درد ختم نہیں ہُوا ہے کہ یہ دوسری مصیبت بلی نے اُسے پنجوں میں دباتے ہوئے کہا آج تو بہترین ناشتہ ہو گا۔ ٹم ٹم نے ڈرتے ہوئے کہا۔ "اچھی بلی مجھے ایک بار چھوڑ دو تم مجھے کھا کر اپنا پیٹ تو نہیں بھر سکو گی۔ ہا ہا... ہا بلی نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا تاکہ تم پھر شرارتیں کرو۔ نہیں نہیں... میں... ش... ش... شرارتیں نہیں کروں گا۔ اگر تم وعدہ کرو کہ آئندہ شرارتیں بھی نہیں کرو گے اور اسکول بھی روزانہ جاؤ گے۔

ابھی بلی میں و... و... وعدہ کرتا ہوں... اچھا جاؤ۔ ٹم ٹم بلی کی گرفت سے آزاد ہوتے ہوئے ایسا بھاگا کہ گھر تک سانس ہی نہ لیا۔

کچھ دنوں بعد چوہیا نے "کشمیری گیدڑ" کو کھیت سے شلجم نکالتے ہوئے دیکھا تو کہا ارے انکل مجھے بڑی حیرت ہے اور بہت خوشی ہے کہ اچانک ٹم ٹم بہت اچھا اور سمجھدار ہو گیا ہے نہ شرارتیں کرتا ہے نہ ہی کسی کا نقصان اور اسکول بھی پابندی سے جاتا ہے۔ گیدڑ نے قہقہہ لگاتے ہوئے

کہا اسے میں نے سدھارا ہے۔ وہ کیسے چوہیا نے حیرت سے کہا۔

وہ اس طرح کہ میرے پاس ایک بلّی کی کھال پڑی تھی میں نے وہ پہن کر ٹم ٹم کو پکڑا اور وعدہ لیا کہ آئندہ شرارتیں بھی نہ کرنا اور اسکول بھی باقاعدگی سے جانا اور گیدڑیہ کہہ کر قہقہے لگانے لگا۔ ان قہقہوں میں چوہیا کے بھی ہلکے ہلکے قہقہے شامل ہو گئے۔

جمع، نفی، ضرب، تقسیم

مرسلہ: محمد عادل منہاج، نئی کراچی

ایک کو ایک میں جمع کریں تو بن جاتے ہیں دو
ٹیچر جو بھی بات کہیں تم غور سے اُسے سُنو
ایک سے ایک نفی کرنے پر بچ جاتا ہے زیرو
پاکستان بنانے والے قائدِ اعظمؒ ہیرو
ایک کو ایک سے ضرب دیا تو حاصل آیا ایک
اللہ کو جو یاد کرے، وہ کہلاتا ہے نیک
ایک اور ایک کو کیا تقسیم تو پھر بھی ایک بچا
جو بھی ہوگا مجھ سے بڑا وہ ہوگا میرا چچا

بے کار ہے...

مرسلہ: فیاض احمد اعوان، کراچی

۱۔ بے کار ہے وہ شخص جس میں ہنر نہ ہو۔
۲۔ بے کار ہے وہ آنکھ جو حقیقت کو نہ دیکھ سکے۔
۳۔ بے کار ہے وہ محبت جس میں خلوص نہ ہو۔
۴۔ بے کار ہے وہ دل جس میں درد نہ ہو۔
۵۔ بے کار ہے وہ عمل جس پر عمل نہ کیا جائے۔
۶۔ بے کار ہے وہ دولت جو نیک کام پر صرف نہ ہو۔
۷۔ بے کار ہے وہ رات جس میں عبادت نہ ہو۔
۸۔ بے کار ہے وہ سجدہ جس میں اثر نہ ہو۔
۹۔ بے کار ہے وہ زندگی جس میں آزمائش نہ ہو۔
۱۰۔ بے کار ہے وہ عدالت جس میں انصاف نہ ہو۔

سچّی دوستی

صباحت، نارتھ کراچی

عثمان ایک امیر گھرانے کا لڑکا تھا۔ کاشف اس کا بہترین دوست تھا مگر تھا غریب، عثمان کی امّی ہمیشہ ہی عثمان کو اس بات کی تاکید کرتیں کہ وہ کاشف سے دوستی ختم کر دے۔ آج پھر عثمان کو اپنی امّی سے ڈانٹ پڑی تھی۔

"عثمان تمھیں کہا ہے کہ غریب لوگوں سے مت ملا کرو۔" تم آج پھر کاشف کے گھر گئے تھے۔" امّی نے رعب سے پوچھا۔ "جی گیا تھا اس میں حرج ہی کیا ہے۔ کاشف غریب ہے مگر کلاس کا سب سے ذہین لڑکا ہے۔ تمام اساتذہ اس سے بہت محبت کرتے ہیں۔"

"کچھ بھی ہو تم اس کے گھر نہیں جاؤ گے۔" گویا عثمان کی امّی نے اپنا فیصلہ سُنا دیا۔ عثمان آج بہت خوش تھا۔ اس کا بہترین دوست کاشف کلاس میں اوّل آیا تھا۔ وہ روزانہ کی طرح آج بھی اکٹھے اسکول سے آرہے تھے۔ خوشی کے ساتھ ساتھ اس کے چہرے پر اُداسی کے آثار بھی تھے آخر کاشف پوچھ ہی بیٹھا۔ عثمان تم کچھ اُداس ہو کیا بات ہے۔" یار کچھ نہیں، تم تو جانتے ہی ہو میری امّی غریب لوگوں

سے کتنا جلتی ہیں اس لیے میری امی کہتی ہیں کہ میں تم سے دوستی ختم کر دوں۔ لیکن کیسے کروں۔ اگر اس دنیا میں میرا کوئی جگری دوست ہے تو وہ تم ہو" کاشف پورے وثوق سے بولا "تو اس میں پریشانی کی کیا بات ہے۔ مجھے امید ہے دوست ایک دن میں اپنے کردار سے تمھاری امی پر یہ ثابت کر دوں گا کہ میں غریب ضرور ہوں پر حقیر نہیں" پھر عثمان اور کاشف خدا حافظ کہتے ہوئے اپنی منزل کی طرف بڑھے۔

عثمان کی امی کو اپنی دولت پر بہت فخر تھا۔ اُن کی نظر میں دولت ہی سب کچھ تھی۔

ایک دن عثمان اپنی کار میں اسکول جا رہا تھا کہ راستے میں حادثہ ہو گیا۔ چونکہ حادثہ اسکول سے کچھ ہی فاصلے پر ہوا تھا اس لیے اسکول تک خبر پہنچ گئی۔ ڈرائیور کو تو معمولی سے چوٹیں آئیں، مگر عثمان شدید زخمی ہو گیا۔ اس کا خون بھی کافی بہہ رہا تھا اس لیے اسے اسپتال لے جایا گیا۔ کاشف نے اس وقت اپنی بھرپور محبت کا ثبوت دیا اور فوراً خون دینے اسپتال پہنچ گیا۔

عثمان اور کاشف کے خون کا گروپ اتفاق سے ایک ہی تھا۔ بروقت خون مل جانے سے عثمان کی جان بچ گئی تھی۔ جب عثمان کی امی کو اطلاع ملی تو وہ فوراً اسپتال پہنچیں۔ ڈاکٹروں نے اُنھیں تسلی دی اور بتایا کہ "عثمان کی حالت خطرے سے باہر ہے" اس پر عثمان کی امی نے ڈاکٹروں کا شکریہ ادا کیا۔ ڈاکٹر نے کہا "شکریہ تو آپ اس بچے کا ادا کریں جس نے آپ کے بیٹے کو خون دیا ہے" اس پر عثمان کی امی نے اپنے پرس میں سے سو سو کے کچھ نوٹ نکالے اور کہا۔

"یہ پیسے آپ اُس بچے کو دے دیں جس نے خون دیا ہے"

ایک دم ڈاکٹر صاحب مُسکرائے اور بولے "ٹھہریے وہ بچہ بھی آگیا"

"کاشف بیٹا آنٹی سے یہ پیسے لے لیں"

"پیسے" کاشف حیرت زدہ رہ گیا "کیسے پیسے ہیں تو عثمان کی حالت دریافت کرنے آیا تھا"

"عثمان اب ٹھیک ہے بیٹا۔ اگر تم خون نہ دیتے تو شاید وہ ....."

اور اس کے آگے عثمان کی امی کچھ نہ کہہ سکیں اور اُن کی آواز آنسوؤں میں ڈوب گئی۔ انہوں نے پیسے کاشف کی طرف بڑھا دیے۔

کاشف بولا "اگر عثمان آپ کا بیٹا ہے تو میرا بھی عزیز دوست ہے۔ اور آنٹی مجھے خون کی قیمت نہیں چاہیے خون تو زندگی ہوتا ہے اور زندگیاں بیچی نہیں جاتیں۔ بس آنٹی آپ ایک کرم کریں میری اور عثمان کی دوستی قائم رہنے

دیں۔" کاشف درد بھرے لہجے میں بولا۔

عثمان کی امّی یہ بات سُن کر جیسے سکتے میں رہ گئیں۔ ایک دم کاشف کو گلے لگا لیا۔ آنسوؤں کا سیلاب اُن کی آنکھوں میں اُمڈ آیا۔ ڈاکٹر بھی کاشف کے اس عمل سے بہت خوش ہوئے۔ اُن کی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے۔

عثمان کی امّی بولیں "دعا کرو بیٹا! عثمان جلد صحتیاب ہو جائے۔ میری دُعا ہے کہ تم دونوں کی دوستی ہمیشہ قائم رہے۔"

عثمان چند ہی دنوں میں صحت یاب ہو گیا تھا اور آج عثمان، کاشف اور عثمان کی امّی تینوں بہت خوش تھے۔

کتاب کی فریاد

مرسلہ: شیر بہادر دُرّانی، میوا شاہ روڈ۔ کراچی

اے بچّے تو نے میرا بُرا حال کر دیا ہے۔ جب میں پہلے پہل آئی تو تجھے میری سخت ضرورت تھی جس کی وجہ سے تو نے میری جلد بندھوائی اور مجھے سنبھال کر بستے میں رکھا سال بھر تو نے مجھے پڑھا۔ وہ کیوں؟ صرف اس لیے کہ تجھے مجھ سے علم سیکھنا تھا۔

جو کچھ مجھے آتا تھا میں نے سب تجھے سکھایا میری وجہ سے تجھے امتحان میں کامیابی ہوئی، لیکن نتیجہ نکلتے ہی تو نے مجھے بستے سے نکال کر پھینک دیا جیسے کوئی ردّی چیز کو پھینکتا ہے۔ واہ میری نیکی کا بدلہ تو نے اچھا دیا۔

کبھی تمہاری چھوٹی بہن یا چھوٹا بھائی جسے ابھی پڑھنا بھی نہیں آتا۔ میرے پاس آئے بھی تو پہلے انھوں نے میری تصویریں دیکھنے کی کوشش کی۔ تصویروں پر دونوں کا جھگڑا ہو گیا۔ چھوٹی بہن کہتی "پہلے یہ تصویر دیکھیں گے۔" بھائی کہتا "نہیں؟ پہلے یہ تصویر دیکھیں گے۔" بھائی بہن سے مجھے چھیننا چاہتا اور بہن دیتی نہ تھی۔ اس چھینا جھپٹی میں میرے کئی ورق پھٹ گئے۔"

دونوں کی لڑائی ختم ہوتی تو وہ تھوڑی دیر بعد پھر تصویریں دیکھنا شروع کر دیتے۔ جی بھر جاتا تو میز کے نیچے پھینک کر چلتے بنتے۔ لیکن افسوس..... تو نے مجھے الماری میں بھی رکھنے کی تکلیف اُٹھانی پسند نہ کی۔ کئی دفعہ تم سے تمہاری امّی نے کہا بھی "بیٹا کتابیں اچھی طرح سنبھال کر رکھا کرو۔ یہ تمہارے بعد تمہارے چھوٹے بھائی کے کام آیا کریں گی۔"

امّی کے اتنا کہنے سے تو نے اتنی مہربانی ضرور کی مجھے میز کے نیچے سے نکال کر اوپر رکھ دیا مگر کسی بچّے نے پھر مجھے کہیں اُچھال دیا۔

اے پیارے بچّے! ذرا انصاف سے کہنا "کیا تمہیں میری ایسی ہی گت بنانی چاہیے تھی؟ میں یہ سب کچھ اپنے لیے نہیں کہتی بلکہ میں تمہارے فائدے کے لیے کہتی ہوں کیونکہ میری نصیحت ماننے اور اس پر عمل کرنے سے تم میں چیزوں کو سنبھال کر رکھنے کی صفت پیدا ہو جائے گی۔

۔اور تم اپنی چیزوں کو ترتیب سے رکھا دیکھ کر خود بھی خوش ہو جاؤ گے اور جو کوئی بھی تمہاری چیزوں کو قرینے سے سجے ہوئے دیکھے گا تو وہ تمہاری ہی تعریف کرے گا اور کہے گا۔

"کتنا اچھا بچّہ ہے کہ ہر ایک چیز کو سلیقے اور قرینے سے رکھتا ہے۔"

حوصلہ

تجمل الیاس، اسلام آباد کالونی سمن آباد۔ لاہور

حامد کا شمار اسکول کے ذہین طلبہ میں ہوتا تھا۔ والدین اور اساتذہ کی بہترین تربیت نے اس کے دل و دماغ میں کچھ کرنے کی شدید لگن پیدا کر دی تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ ایک دم بڑے بڑے کام انجام دے۔ اس کی والدہ اُسے سمجھاتیں کہ تم پڑھائی میں جتنی محنت کرو گے، اُتنے ہی بڑے آدمی بنو گے۔

وہ اس وقت بھی یہی سوچتے سوچتے کھو سا گیا...

وہ فوج میں بھرتی ہو گیا تھا۔ جذبۂ شوق اور مسلسل محنت سے ترقیوں کی منزلیں طے کرتے کرتے وہ کیپٹن بن گیا تھا۔ اب اُس کے کندھوں پر بڑا بوجھ تھا۔ ملک کی حفاظت کا بوجھ .... لیکن وہ بوجھ تلے دبنے والوں میں سے نہ تھا بلکہ بوجھ اُٹھانے والوں میں سے تھا۔

پھر یکایک فضا خونی ہو گئی، دشمن ملک نے بے گناہ سپاہیوں کو بے دردی سے اپنے ظلم کا شکار بنانا شروع کر دیا۔ حامد کو احساس تھا کہ یہی آزمائش کی گھڑی ہے اور اُسے اپنے ملک کو اس خطرناک صورتحال سے نکالنا ہے۔ اس نے میدانِ جنگ میں جانے سے پہلے محافظوں کو اکٹھا کیا اور ایک مختصر سی ولولہ انگیز تقریر کی۔ اس نے کہا۔

"آج ہمارے ملک کو ہماری ضرورت پڑ گئی ہے۔ ہمیں اس کی خاطر ہر طرح کی قربانی دینا ہو گی۔ ہمیں مجاہدین کی طرح عزم واستقلال کے ہتھوڑے سے راستے کے پتھروں کو پاش پاش کرنے کا موقع ملا ہے اگر ہم نے اسی جذبے کو مدِ نظر رکھا تو ہمارا مقدر ہے۔"

کیپٹن حامد کی اس تقریر کے بعد فوجی جوان ۔ ۔ ۔ ۔ دشمنوں سے دو دو ہاتھ کرنے کے لیے میدانِ عمل میں آ گئے۔ دشمن سر پر آ پہنچا تھا اور کیپٹن حامد سوچ رہا تھا کہ یہی وقت ہے وطن سے محبت کے ثبوت کا۔

دُشمن نے اُسے چاروں طرف سے گھیر لیا اور سب سے پہلے اُسے گولی کا نشانہ بنایا۔ بے شمار شعلے لپکتے ہوئے کیپٹن کی طرف بڑھے۔ مگر یہ کیا؟ ملکی محافظوں نے اُس کے گرد آڑ بنالی اور ساری گولیاں اپنے سینوں

پر کھائیں، مگر کیپٹن کو خراش بھی نہ آنے دی اور کیپٹن نے اپنی وفاداری کو نبھایا۔ یوں کیپٹن حامد کو وہاں سے نکلنے کا موقع مل گیا۔

دُشمن آندھی طوفان کی طرح آگے بڑھا آ رہا تھا اور اب آخری سرحدی چوکی بچی تھی۔ جس کے متعلق کیپٹن کو حکم دیا گیا تھا کہ اُسے ہر طرح بچایا جائے۔

دُشمن سرحدی چوکی کے قریب پہنچ گیا اُس نے آدھی چوکی تباہ کر ڈالی لیکن اب کیپٹن ایک فیصلہ کر چکا تھا .... بہت خوفناک فیصلہ ....!

دُشمن کی توپیں جیسے ہی آگے بڑھیں، فضا

دھماکوں سے گونج اُٹھی، ہر طرف آگ اور دُھواں پھیل گیا۔ فضا پر دُھند سی چھا گئی۔

کیپٹن اور اُس کے ساتھیوں نے سینوں پر بم باندھ کر اپنی جانیں تو قربان کر دی تھیں لیکن وطن کے لاکھوں انسانوں کو بچا لیا تھا اور دشمن کو شکست فاش دلا دی۔

حامد چیخ مار کر اُٹھ بیٹھا، اس کا بدن پسینے میں شرابور ہو رہا تھا مگر یہ پسینہ خوف کے نہیں، جذبے اور ولولے کا تھا۔ اس خواب نے اُس کے دِلی جذبات کی ترجمانی کی تھی اور اُسے ایک حوصلہ دیا تھا۔ ایک بہت بڑا حوصلہ.....!

رے ڈار

مرسلہ :۔ شیر محمد ضیاء، کنری پاک

دوسری جنگِ عظیم میں جرمنوں نے ایسے ہوائی جہاز تیار کر لیے تھے جو برقی لہروں کی مدد سے چلتے تھے وہ تیز رفتاری کے ساتھ برطانیہ کی فضائی حدود میں داخل ہوتے اور اندھا دھند بمباری کر کے ہنستے بستے شہر کو کھنڈرات میں بدل دیتے برطانیہ کی حکومت کو فکر ہوئی کہ ان جہازوں کی آمد کا بروقت پتہ چلایا جائے تاکہ ان کی روک تھام کا مناسب بندوبست کیا جائے لہٰذا انگریز سائنسدان تجربات میں مصروف ہو گئے۔ وہ جلد ہی ایک آلہ بنانے میں کامیاب ہو گئے۔ جس کے ذریعے فضا میں کئی میل دُور تک کسی بھی جہاز کی موجودگی کی اطلاع آناً فاناً موصول کی جا سکتی تھی۔ اسے رے ڈار کا نام دیا گیا۔ رے ڈار کے ذریعے فضا میں موجود جہاز کو ڈھونڈ کر اس کا فاصلہ اور سمت بھی معلوم کی جا سکتی ہے۔ رے ڈار مشین تیز رفتاری سے شعاعوں کو فضا میں چاروں طرف بکھیر دیتی ہے۔ ان کو ریڈیائی لہریں کہتے ہیں۔ یہ ریڈیائی لہریں سخت کھردار اور بارش غرض ہر شے میں سے گزرنے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔ جب یہ شعاعیں کسی ٹھوس چیز سے ٹکراتی ہیں تو اس سے ٹکرا کر اس کی تصویر اسکرین پر ظاہر کر دیتی ہیں۔ اس چیز کا فاصلہ معلوم کرنے کے لیے اُس وقفے کو ناپ لیا جاتا ہے۔ جو کہ ریڈیائی لہروں کو نشر ہونے سے منعکس ہو کر واپس پہنچنے تک صرف ہو جاتا ہے۔ اس طرح یہ حساب لگایا جا سکتا ہے کہ ریڈار مشین سے کوئی بھی دھاتی چیز مثلاً میزائل راکٹ، ہوائی جہاز کے درمیان کتنا فاصلہ ہے، لہروں کی رفتار ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ ہے لہٰذا فاصلہ معلوم کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آتی۔ ریڈار بلاشبہ بیسویں صدی کی ایک نہایت اہم اور مفید ایجاد ہے۔ جس سے فضائی حملے سے قبل از وقت خبردار ہو کر بھاری جانی اور مالی نقصانات سے بچا جا سکتا ہے۔

نرالی دُعا

مرسلہ :۔ عائشہ خالد۔ گرین بیلٹ کراچی

ایک بار حضرت عمرؓ خانہ کعبہ کا طواف فرما رہے تھے کہ کیا دیکھتے ہیں کہ ایک بدّو کھڑا دُعا مانگ رہا ہے اور انتہائی جوش و جذبے میں کہہ رہا ہے۔ اے میرے پروردگار تو مجھے اپنے قلیل بندوں میں

سے بنا دے۔ یہ دُعا سُن کر حضرت عمرؓ کو تعجب ہوا۔ فرمایا اس بدّو کو بُلا کر لاؤ۔ جب بدّو آیا تو حضرت عمرؓ نے پوچھا۔ بھلائی یہ تم کیا دعا مانگ رہے تھے۔ ایسی انوکھی دعا میں نے کبھی نہیں سُنی۔ آخر اس دعا کا کیا مطلب ہے۔ بدّو نے کہا یا امیر المؤمنین آپ کو پتہ ہے" حضرت عمرؓ نے فرمایا" کچھ بتاؤ تو سہی مجھے کیا معلوم ہے" بدّو نے کہا" یا امیر المؤمنین آپ جانتے ہیں" حضرت عمرؓ نے فرمایا" میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا" بدّو نے کہا" کیا آپ نے قرآن مجید نہیں پڑھا اور کیا آپ نے یہ آیت نہیں پڑھی وقلیل من عبادی الشکور۔ جس کا ترجمہ ہے" اور میرے شکر گزار بندے قلیل ہیں" میں نے اللہ سے دُعا مانگی کہ وہ مجھے اپنے قلیل بندوں میں سے بنا دے" یہ سُن کر حضرت عمرؓ بہت متاثر ہوئے اور پھر لوگوں سے فرمایا" ہر شخص عمر سے زیادہ جاننے والا ہے۔ پھر حضرت عمرؓ کافی دیر تک سر جھکائے سوچ میں ڈوبے رہے۔

جیالوں کی سرزمیں

ابنِ مفرح، مردان

آگے جانے والے ٹرک کی رفتار خاصی تیز تھی، مگر انسپکٹر شہباز نے اُسے اوجھل نہیں ہونے دیا تھا اور پولیس جیپ میں مسلسل اُس کا تعاقب کر رہا تھا۔ اس کے ایک ہاتھ میں پستول اور دوسرے میں اسٹیئرنگ تھا۔ ویسے تو وہ سیکرٹ سروس میں تھا۔ مگر تخریب کاری کے کیس میں عارضی طور پہ پولیس نے اس کی خدمات حاصل کی تھیں۔

فاصلہ کم ہوتے ہی اُس نے پستول والا ہاتھ باہر نکالا۔ اسی وقت ٹرک سے ایک فائر ہوا۔ شہباز نے کمال پھرتی سے اپنا سر نیچے کر لیا اور گولی جیپ کی اسکرین کو توڑتی ہوئی سیٹ میں دھنس گئی۔ شہباز نے پھر اپنا پستول سیدھا کیا اور ٹرک کے ایک ٹائر کا نشانہ لے کر ٹریگر دبا دیا۔ اگلے ہی لمحے ٹائر ایک دھماکے سے پھٹ گیا اور ٹرک چند جھٹکے کھانے کے بعد رُک گیا۔ فوراً ہی دونوں طرف کے دروازے کھُلے اور پانچ افراد نیچے کُود آئے۔ ٹرک سے باہر آتے ہی انھوں نے دوڑنا شروع کر دیا۔ اتنے میں شہباز بھی اپنی جیپ سے اُتر آیا تھا۔ اُس نے پستول سے ایک شعلہ نکلا اور اُن میں سے ایک آدمی نیچے گر کر تڑپنے لگا۔

"خبردار...! سب اپنی جگہ رُک جاؤ۔ ورنہ اگلی گولی کا نشانہ تم میں سے بھی کوئی بن سکتا ہے" شہباز کی بارعب آواز سُن کر وہ رُک گئے۔ شہباز کے حکم پر انھوں نے اپنے ہتھیار پھینک دیے اور ہاتھ اُوپر اُٹھا لیے۔ شہباز انہیں پستول سے کور کرتا ہُوا اپنی جیپ تک لایا اور جیپ سے ٹرانسمیٹر نکال کر اپنے ماتحت سے رابطہ قائم کیا

"انسپکٹر شہباز اسپیکنگ" رابطہ قائم ہوتے ہی شہباز نے کہا۔

"یس سر، حکم فرمائیں" ماتحت کی مؤدبانہ آواز سُنائی دی۔

"فوراً الفریڈ روڈ پہنچو۔ میں نے ہیروئن سپلائی کرنے والے ایک گینگ کو پکڑا ہے۔ اُنھیں پولیس اسٹیشن لے جانا ہے"

"یس سر، میں ابھی پہنچ رہا ہوں۔" ماتحت نے جواب دیا اور شہباز نے رابطہ منقطع کر دیا۔ وہ گفتگو کے دوران مجرموں کو مسلسل گھور کیے رہا تھا۔ تھوڑی ہی دیر بعد اس کا ماتحت فصیح چند سپاہیوں کے ساتھ پہنچ گیا اور مجرموں کو ہتھکڑیاں پہنا کر پولیس اسٹیشن لے جایا گیا۔

"تمہارا یہ کارنامہ یاد گار رہے گا، شہباز! ہمیں تم پر فخر ہے۔" انسپکٹر جنرل آف پولیس نے شہباز کو مبارک باد دیتے ہوئے کہا۔

"شکریہ سر۔ یہ سب آپ ہی کی تربیت اور دعاؤں کا نتیجہ ہے۔" شہباز نے انکساری سے کہا۔

"آپ کو شاید علم نہ ہو سر! کہ ابھی صرف ٹرک میں ہی موجود ہیروئن نکالی گئی ہے۔ میں آپ کو ایک ایسی چیز بھی دکھا سکتا ہوں، جسے دیکھ کر آپ حیران و ششدر رہ جائیں۔" شہباز نے ٹرک کی طرف بڑھتے ہوئے کہا قریب پہنچ کر اُس نے ٹرک کے ٹائر کے پاس لگا ایک بٹن دبایا۔ بٹن کے دبتے ہی ٹرک کی چادریں درمیان سے جُدا ہو گئیں۔ یہ دُہری چادروں والی دیوار تھی، جس کے درمیان خلا تھا۔ اس خلا میں موجود چیز دیکھ کر آئی جی کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"اُف میرے خُدا۔ اتنا اسلحہ!" اُن کے منہ سے کپکپی کے انداز میں نکلا۔

"جی ہاں، لیکن صرف یہی نہیں۔ آیئے میں آپ کو ایک اور جگہ دکھانا چاہتا ہوں۔" یہ کہتے ہوئے شہباز انہیں ایک کمرے میں لے آیا۔ کمرے میں اتنا اسلحہ تھا، جس کا شاید آئی جی نے کبھی تصوّر بھی نہیں کیا ہوگا۔

"یہ سب کیا ہے۔ کہاں سے آیا اتنا اسلحہ؟..." آئی جی نے حیرت سے پوچھا۔

"میں آپ کو پوری تفصیل بتائے دیتا ہوں۔ تب ہی اصل معاملہ آپ کی سمجھ میں آئے گا۔ یہ ہمارے ملک کے دیرینہ دشمنوں کی ایک بڑی سازش تھی جو اگر کامیاب ہو جاتی تو ہمارا ملک ایک بار پھر غلامی کی زنجیروں میں گرفتار ہو جاتا۔ ہمارے ملک کا سب سے بڑا دشمن ہمارا پڑوسی مُلک ہے۔ جس نے آج تک ہمیں تسلیم نہیں کیا اور تقسیم کے بعد اب تک مسلسل ہمارے خلاف زہر اُگلتا رہا ہے۔ اسی پڑوسی مُلک کے ایجنٹوں نے ہمارے ملک میں ایک خفیہ مرکز بنایا

جہاں وہ زیادہ سے زیادہ اسلحہ جمع کرنا چاہتے تھے۔ ان کا منصوبہ یہ تھا کہ وہ یہاں اسلحے کے انبار لگا کر عام لوگوں کے رُوپ میں اپنے کمانڈوز بھیجتے۔ جن کا کام ہمارے ملک میں تباہی پھیلا کر عوام کو حکومت سے متنفر کرنا ہوتا۔ وہ کمانڈوز ہمارے دفاعی مقامات کو کمزور کر دیتے اور پھر اچانک حملہ کر کے پہلے سے بدحواس مُلک کو اپنے قبضے میں کر لیتے۔ اس کے علاوہ اُنہیں معلوم تھا کہ ہمارے ملک میں کچھ جیالے ایسے بھی ہیں جو ان کے ہتھکنڈوں سے متاثر نہ ہوں گے، بلکہ اُن کے راستے میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جائیں گے۔ چنانچہ اس کا علاج انہوں نے یہ نکالا کہ وہ ملک میں ہیروئن پھیلائیں۔ اس طرح اُنھیں منافع بھی ملتا اور لوگ، ہیروئن کی لعنت میں مُبتلا ہو کر اپنے مُلک کے دفاع کے کیا، اپنے ہی دفاع کے قابل بھی نہ رہتے۔ اس طرح وہ بڑی آسانی سے ہمارے مُلک پر قابض ہو جاتے۔ شاید وہ بھول گئے تھے کہ یہ جیالوں کی سرزمین ہے اور جیالے یہ کبھی برداشت نہیں کر سکتے کہ اُنہیں غلام بنایا جائے...!" شہباز نے آئی جی کو تمام تفصیلات سے آگاہ کرنے کے بعد آخر میں بڑے جوش سے کہا۔

"لیکن تمہیں یہ سب کچھ کیسے معلوم ہُوا؟" آئی جی نے پُرتجسس لہجے میں پوچھا۔

"کل میں نے جو چار آدمی، ہیروئن سمیت پکڑے تھے، اُنھیں "کمرۂ امتحان" میں پوچھ گچھ کے لیے بھی لے گیا تھا اور ظاہر ہے کہ انسپکٹر شہباز میں اتنی صلاحیت تو ہے ہی کہ وہ اُنہیں طوطے کی طرح بولنے پر مجبور کر دے اُنہوں نے اپنے مرکز اور اپنے ارادوں کے بارے میں سب کچھ اُگل دیا۔ جس کے بعد ہم نے مرکز پر چھاپہ مارا اور اسلحہ برآمد کرنے کے ساتھ بڑی مقدار میں ہیروئن اور تقریباً چالیس کمانڈوز بھی گرفتار کر لیے۔" شہباز نے اپنی مخصوص مُسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

دوسرے دن اخبارات نے اس کارنامے کو نمایاں سرخیوں کے ساتھ شائع کیا اور ہر طرف انسپکٹر شہباز کے کارنامے کے چرچے ہونے لگے۔

مرسلہ:۔ ایو ایوب

دلچسپ سوالات

۱۔ وہ کیا ہے جو حرام بھی ہے لیکن اُسے پینے کو بھی کہا جاتا ہے؟

۲۔ اگر کوئی شخص پیدائشی بہرہ ہو تو اس میں ایک اور کون سا عیب ہو گا؟

۳۔ ایک شخص پیدا ہوا جاپان میں۔ پلا بڑھا جرمنی میں لیکن مَرا ترکی میں۔ بتائیے وہ شخص کیا کہلائے گا؟

۴۔ وہ کون سا سوال ہے جس کا جواب اگر ہاں دیا جائے تو جھوٹ بولتا ہے؟

۵۔ وہ کون سا لفظ جسے قابل شخص بھی غلط لکھتا ہے غلط پڑھتا ہے؟

۶۔ اُس چھ لفظی چیز کا نام بتائیے جو ہر امیر و غریب کے گھر ہوتی ہے؟

۱۔ غصہ ۲۔ گونگا ۳۔ مرحوم ۴۔ کیا آپ سو رہے ہیں، کیا آپ مُردہ ہیں۔ ۵۔ لفظ غلط ۶۔ دروازہ۔

قلمی دوستی

آؤ ملائیں ہاتھ

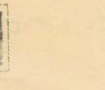

آصف بشیر شیخ، ۱۲ سال
جماعت ہفتم، کرکٹ کھیلنا
مطالعہ کرنا
مکان نمبر ۱۳۶ - گلی نمبر ۱ - بورے والا چوک
میاں چنوں خانیوال۔

نظام احمد ۱۴ سال
جماعت نہم، کرکٹ
کھیلنا - اردو - فوجی
افسر بن کر ملک کی حفاظت کریں گے۔
۱۱۵۳ - سیکٹر ۸ - ایل - اورنگی ٹاؤن - کراچی ۴۱

کامران سلیمان ۱۴ سال
جماعت نہم، ریاضی،
فوج میں شمولیت کا
ارادہ ہے۔
V - سی ۲/۳ نزد بورڈ آفس - ناظم آباد - کراچی ۱۸

سید علمدار حسین ۱۳ سال
جماعت ہشتم، تیراکی
فزکس - ڈاکٹر بننے
کا شوق ہے۔
ایڈورڈز کالج اسکول - طارق روڈ - پشاور صدر

محمد صفدر ۱۴ سال
جماعت نہم، کرکٹ
کھیلنا، اردو، ڈاکٹر
بنیں گے۔
ڈاکخانہ جلال پور شریف
بمقام ڈھیری پیراں - پنڈ دادنخان - جہلم

خرم سعید - ۱۲ سال
جماعت ہشتم - مطالعہ کرنا -
حساب، کمپیوٹر انجینئر
بننے کی خواہش ہے۔
بی ۴۴ - الفلاح سوسائٹی - ملیر ہالٹ کراچی

محمد حسن رضا ۸ سال
جماعت سوم، پولیس
مین بننا چاہتے ہیں
۲ - برنی اسٹریٹ - علامہ اقبال روڈ -
گڑھی شاہو - لاہور - ۵

امتیاز علی زرگر، ۱۶ سال
جماعت دہم، کرکٹ
کھیلنا، ریاضی - پائلٹ
بننے کا ارادہ ہے۔
گورنمنٹ پائلٹ اسکول - شرقپور شریف

محمد فاروق عمر ۱۴ سال
جماعت ہشتم - کرکٹ
کھیلنا جنرل سائنس
فوجی کمانڈر بنیں گے۔
ایل ۷۲ - سیکٹر ۱/۳۴ - کورنگی نمبر ۳ - کراچی

واجد محمود عباسی ۱۱ سال
جماعت ششم، ہاکی کھیلنا
عربی، ہاکی ٹیم میں شامل
ہونے کا شوق ہے۔
اے - ۶۲۲ - گلی نمبر ۳۶ - محلہ موہن پورہ - راولپنڈی۔

نذیر احمد غوری ۱۵ سال
جماعت نہم، آنکھ مچولی
پڑھنا - انگریزی،
انجینئر بننے کا ارادہ ہے۔
غوری کریانہ مرچنٹ - شاہی بازار اوباڑہ - ضلع سکھر

محمد رفیق شاہین ۱۴ سال
جماعت ہشتم، قلمی دوستی
مضمون - انگریزی -
پائلٹ بننے کا ارادہ ہے۔
ایم ۸۶ کورنگی ۲/۳۱ - کراچی

محمد ریاض عمر ۱۶ سال
جماعت نہم - کرکٹ کھیلنا
مضمون، حساب - بڑے
ہوکر، کرکٹر بنیں گے ... اے - ۱۶
۲۴۷ - اورنگ آباد - چاندنی چوک - کراچی ۱۸ -

ملک تسلیم احمد، ۱۳ سال
جماعت ہفتم، کرکٹ
کھیلنا - مضمون، انگریزی
انجینئر بننے کا ارادہ ہے۔
سوڈا واٹر فیکٹری - تحصیل وزیرآباد - ضلع گوجرانوالہ

ساجد امین، ۱۳ سال
جماعت نہم، کرکٹ
کھیلنا، مضمون، سائنس
بڑے ہوکر پائلٹ بنیں گے۔
ساجد جنرل اسٹور - مین بازار - مونگہ - بونگہ

سلمان قیصر، ۱۴ سال
جماعت نہم، مضمون
اُردو - بڑے ہوکر
کمانڈو بنیں گے۔
بی ون - ۱۳۶۶ - مسلم ٹاؤن - راولپنڈی

شفیق حیدر ناز ۱۶ سال
جماعت ششم، قلمی دوستی،
ریاضی - بڑے ہوکر
ریاضی دان بنیں گے۔
محلہ مہرپورہ غربی - اٹک شہر۔

سمیع احمد، ۸ سال
جماعت چہارم، مطالعہ
کرنا، مضمون، اُردو
بڑے ہوکر، فوجی افسر بنیں گے
بی ۹۵ - بلاک جے - نارتھ ناظم آباد - کراچی

غوث بخش گومانی - ۸ سال
جماعت پنجم، قلمی دوستی
مضمون، انگریزی
انجینئر بننے کا ارادہ ہے۔
تعمیر ملت پبلک اسکول - تربت - مکران

محمد صدیق، ۱۲ سال
جماعت ہشتم، قلمی دوستی
مضمون، سائنس، ڈاکٹر
بننے کی آرزو ہے۔
ڈی - ۳۳ - نئی آبادی - کورنگی ۲۱/۲ - کراچی

حافظ خالد محمود انجم، ۱۶ سال
جماعت ہفتم، قلمی دوستی
مضمون، سائنس، بڑے
ہوکر ڈاکٹر بننے کا ارادہ ہے۔
محلہ مولا نگر - شمالی ملکوال، ضلع گجرات

عبدالحفیظ بھٹو، ۱۵ سال
جماعت دہم - کرکٹ
کھیلنا - مضمون، اردو
پائلٹ بنیں گے۔
معرفت قیوم زرگر - صرافہ بازار - ڈھری - سکھر

شہزاد اکبر، ۱۳ سال
جماعت نہم، کہانی لکھنا
اور پڑھنا، مضمون،
بائیالوجی - خفیہ پولیس میں بھرتی ہوں گے۔
معرفت شبیر پوسٹ مین، ڈاکخانہ اورنگی ٹاؤن - کراچی

عبدالرزاق مجید، ۱۳ سال
جماعت ہفتم، مطالعہ
کرنا، مضمون، سائنس۔
بڑے ہوکر، ڈاکٹر بنیں گے۔ گلی نمبر ۹
نیو کمہار واڑہ - میوہ شاہ روڈ - عمر لین، کراچی۔

عمران خان - ۱۶ سال
جماعت دہم، قلمی دوستی
مضمون، انگریزی - بڑے
ہوکر فوجی بنیں گے -- مکان نمبر ۱۳۴
گلی نمبر ۸، اعظم بستی - نالہ پار - کراچی ۴۴

منظور حسین، ۱۴ سال
جماعت ہفتم، کرکٹ کھیلنا
مضمون، ڈرائنگ، وکیل
کا پیشہ اپنائیں گے۔
گورنمنٹ ہائی اسکول نمبر ۲ - پشاور شہر

عاطف غنی، ۱۳ سال
جماعت ششم، کرکٹ کھیلنا
مضمون، حساب، اُردو،
بڑے ہوکر، فوج میں شامل ہوں گے۔
اے ۵۸ - ای ۳۳ - کورنگی ۲۱/۲ - کراچی

نبیل احمد، ۱۴ سال
جماعت دہم، کرکٹ
کھیلنا - مضمون، حساب
بڑے ہوکر فوجی بنیں گے۔
کھوکھراپار نمبر ۲ - ملیر توسیعی کالونی - کراچی

یحییٰ محمود، ۱۱ سال
جماعت ششم، کرکٹ
مضمون، انگریزی،
بڑے ہوکر، فوجی بنیں گے۔
مکان نمبر ۳ گلی نمبر ۱ - شیرشاہ کالونی - اچھرہ، لاہور

محمد اسماعیل، ۱۴ سال
جماعت دہم، مطالعہ
کرنا، مضمون، فزکس،
ڈاکٹر بن کر عوام کی خدمت کریں گے۔
معرفت محمد موسیٰ - بس اسٹاپ - ٹنڈو باگو

سید ضیاء الحسن شاہ بخاری
۱۷ سال، انٹر، مطالعہ
کرنا، کرکٹ، اردو
اچھا انسان بننے کی خواہش۔
پوسٹ آفس۔ عمرکوٹ

ضیاء الدین ۱۶ سال
جماعت نہم، کرکٹ
کھیلنا، سائنس۔
انجینئر بن کر وطن کی خدمت کریں گے۔
۲۴۸/۱۲ - چاندنی چوک - پاپوش نگر - کراچی ۱۸

عاصم منور، ۱۵ سال
جماعت دہم، ٹکٹ جمع
کرنا۔ مضمون۔ بائیالوجی
انگریزی، لیکچرار بنیں گے
۱۲۲، گلشن اقبال۔ کالونی۔ ہارون آباد

تنویر حماد - ۱۶ سال
جماعت دہم، قلمی دوستی
ہاکی۔ ڈاکٹر بننے کی
خواہش ہے۔
محلہ مولا نگر جنوبی۔ ملک وال، گجرات

نعمان الدین ۱۷ سال
انٹر - کراٹے، اسلامیات
انجینئر بننے کا ارادہ ہے
۶۴ - عثمانیہ کالونی
ناظم آباد - کراچی نمبر ۱۸

محمد فراز اعوان - ۱۶ سال
جماعت نہم، مشغلہ - مطالعہ
کرنا - انجینئر بنیں گے۔
پتہ
نہیں لکھا

نعیم انور - عمر - ۱۲ سال
جماعت، ہفتم، کہانیاں
پڑھنا، مضمون، انگریزی
ملک کی خدمت کے لیے فوجی کمانڈر بنیں گے۔
کینیڈا کالونی۔ ننکانہ صاحب۔ شیخوپورہ

خرم محمود، عمر - ۱۴ سال
جماعت ششم، کرکٹ
مضمون، اُردو - بڑے ہوکر
کرکٹر بنیں گے۔ - مکان نمبر ۳ گلی نمبر ۶
شیر شاہ کالونی - اچھرہ لاہور

سہیل ہاشمی، ۱۳ سال
جماعت ہشتم، کرکٹ کھیلنا
مضمون، سائنس - بڑے
ہوکر - پائلٹ بنیں گے۔
آر - ۲۴۰ - سیکٹر ۱۰ - نارتھ کراچی - نزد مسجد قبا کراچی

بابر ملک - ۱۲ سال
جماعت ہفتم، کہانی لکھنا
مطالعہ کرنا، حساب، عربی
دفاعِ وطن کے لیے فوجی افسر بنیں گے۔
لالہ زار کالونی - راولپنڈی - کینٹ

اسحاق بن اسماعیل، ۱۴ سال
جماعت ہفتم، کرکٹ
مضمون، اُردو، بڑے ہوکر
ڈاکٹر بن کر غریبوں کی خدمت کریں گے۔
حیدری الیکٹرک سروس - جنگشاہی - ٹھٹھہ

ندیم عباس، ۱۵ سال
جماعت ہشتم، فٹبال کھیلنا
مضمون عربی۔ بڑے ہو کر
اچھا شہری بننا چاہتے ہیں۔
اشرف فوٹو اسٹوڈیو - حجرہ شاہ مقیم - ضلع اوکاڑہ

- قلمی دوستی کے اس کالم میں صرف اسکول کے طلب شریک ہو سکتے ہیں۔
- کوپن اور تصویر کے بغیر تعارف شائع نہیں کیا جائے گا۔
- خراب اور نامکمل کوپن قابل قبول نہ ہوں گے۔

نام ________ عمر ________ جماعت ________
مشاغل ________ اسکول میں پسندیدہ مضمون ________
بڑے ہوکر کیا بننا چاہتے ہیں۔ ________ وجہ ________
پتہ ________

امّی ابّو کا صفحہ

شین فاروقی

مہذّب ہونے کے ہزار فائدے سہی مگر اس میں ایک بہت بڑا نقصان بھی ہے، اور وہ یہ کہ مہذّب آدمی اپنے جذبات کے بامعنی اظہار سے محروم ہوجاتا ہے۔ جذبات کے بامعنی اظہار سے محرومی ہمارے دور کی ایک تکلیف دہ حقیقت ہے۔ جس نے جدید دور میں انسانی تعلقات کو گورکھ دھندا بنا کر رکھ دیا ہے۔ جس کے باعث ہمارے معاشرے میں بیشمار نوعیت کے ذہنی و نفسیاتی امراض جنم لے رہے ہیں۔

ہمارے ضرورت سے زیادہ مہذّب ہونے کا سب سے مہلک اثر بچّوں پر پڑا ہے۔ مگر مہذّب ہونے یا جذبات کے بامعنی اظہار سے محرومی کا مطلب کیا ہے؟ آیئے دیکھتے ہیں۔

ہمارے شہری معاشرے میں یہ مشاہدہ عام ہے کہ والدین اور خاص طور پر تعلیم یافتہ والدین اپنے بچّوں کو حتی الامکان اپنی جسمانی قربت سے محروم رکھتے ہیں۔ آپ نے یقیناً ایسے والدین دیکھے ہوں گے جو اپنے بچّوں کو اچھے سے اچھے اسکول میں تعلیم دلواتے ہیں۔ انہیں اچھے سے اچھا پہناتے ہیں اور اُن کا ہر شوق پورا کرتے ہیں مگر اُن کے بچّے جب کوئی قابلِ ستائش کام کرتے ہیں مثلاً فرسٹ آتے ہیں یا کسی کھیل تفریح کے مقابلے میں نمایاں کارکردگی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ تو والدین صرف اور صرف لفظی تعریف سے نواز کر یا انہیں کوئی انعام دے کر سمجھ لیتے ہیں کہ انہوں نے اپنی محبّت کا اظہار کردیا۔ حالانکہ ایسا نہیں ہوتا۔ کیونکہ عام طور پر کم عمر بچّوں کو لفظی ستائش کے ساتھ ساتھ دستِ شفقت اور عملاً پیار و محبت کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ اُن کی خواہش ہوتی ہے کہ اُن کے والدین یا سرپرست اُن کے کارنامے پر خوش ہو کر اُنہیں پیار کریں، اُنہیں اپنے آپ سے لپٹالیں۔ یہ خواہشیں بچّوں کی انتہائی فطری خواہشیں ہیں جن کی تکمیل سے اُن میں احساسِ تحفظ اور یہ یقین پیدا ہوتا ہے کہ وہ واقعتاً پیار کے لائق ہیں۔

تاہم اکثر والدین اس طرح کی محبّت یا جذبات کے اظہار کو بچکانہ حرکت، اور ناشائستگی وغیرہ سمجھتے ہوئے اس طرح کے اظہارِ محبت سے گریز کرتے ہیں۔ ممکن ہے بعض والدین جذبات کے اس والہانہ اظہار کی افادیت سے واقف نہ ہوتے ہوں۔ بہرحال جو کچھ بھی ہو، ہمارے شہری معاشرے کے اکثر بچّے اپنے اس فطری حق سے محروم رہتے ہیں۔ یہ محرومی انسان کو غیر محسوس طریقے سے ساری عمر کن کن راہوں پر لے جاکر کہاں کہاں بھٹکاتی ہے اور کیا کیا گل کھلاتی ہے اس کے بیان کی یہاں گنجائش نہیں۔

والدین کو سمجھنا چاہیے کہ جس طرح پیٹ غذا سے اور ذہن الفاظ سے اطمینان حاصل کرتا ہے اسی طرح پیار و محبت بچّوں کے احساسات کو اطمینان بخش کر اُن کے جذبات میں توازن اور شخصیت میں اعتدال پیدا کرتا ہے۔

آخر میں ہم آپ سے صرف اتنا ہی پوچھیں گے کہ کیا آپ بھی جذبات کے بامعنی اظہار سے محروم مہذّب والدین میں شامل ہیں۔ اگر نہیں تو ہمیں آپ پر فخر ہے۔ اور اگر ہاں تو ہمیں آپ کے بچّوں سے دلی ہمدردی ہے۔

اپنے بچّوں کو جوؤں کے عذاب سے بچائیں

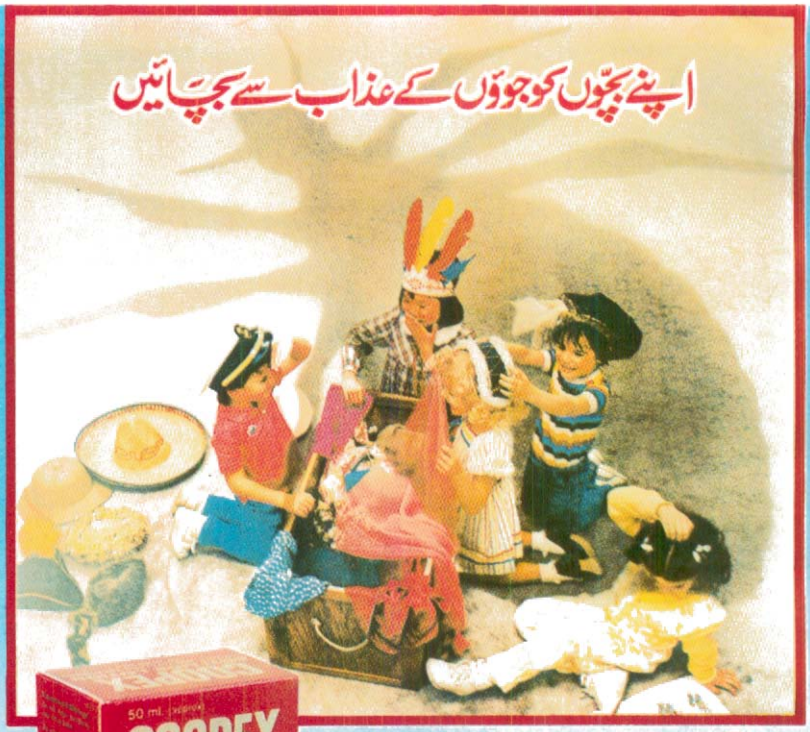

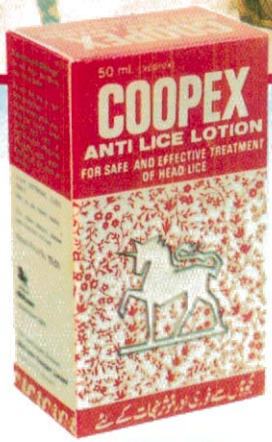

کوپیکس
اینٹی لائس لوشن
استعمال کریں

کوپیکس اینٹی لائس لوشن بچوں کی جلد اور بالوں کو نقصان نہیں پہنچاتی،
کوپیکس ڈی ڈی ٹی، بی ایچ سی، پروپوکسر، میلاتھیان اور اسی قسم کے
دوسرے مُضرِ صحت اجزاء سے پاک ہے۔

قیمت صرف
16.50

جوؤں اور لیکھوں سے مؤثر نجات کیلئے کوپیکس اینٹی لائس لوشن

TRANSWORLD

REGD. NO. M-266 FEBRUARY 1989
MONTHLY AANKH MICHOLLE KARACHI